بلندئ ذکر نبی ﷺ کے رموز واسرار

ڈاکٹر محمد صدیق شاکر

Abstract

Exalted-Fame of the Holy Prophet: Symbols & Insights
by: Siddiq Shakir

This article has been written to elaborate and interpret the meanings, interpretation, and an insight understanding of the words used in the Holy Qur'an as a symbol of exalted-fame and elevation for Prophet Muhammad (Peace be upon him). The words used for the elevation, fame and reminiscence of the Prophet (Peace be upon him) have been anyalsed and brought under detail discussion in the light of Holy Qur'an.

الرفع والرفعۃ

دونوں کلمات صورت اور ہیئت کے اعتبار سے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ دونوں کا مادہ بھی ایک ہے، لیکن معنوی طور پر ایک دوسرے سے قدرے مختلف ہیں۔ الرفع بلند کرنے اور الرفعۃ۔ بلند ہونے کے معنوں میں آتا ہے۔ یہ بلندی کبھی جسمانی اور کبھی روحانی ہوتی ہے۔ کبھی بہ لحاظ محل اور کبھی بہ لحاظ شرف ومنزلت ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں یہ ہر معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ علامہ الراغب الاصفہانی رحمتہ اللہ علیہ نے مختصر مگر جامع توضیح فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

الرفع یقال تارۃ فی الاجسام الموضوعۃ اذا اعلیتها عن مقرها نحو ورفعنا فوقکم الطور قال تعالی اللہ الذی رفع السموت بغیر عمد ترونها وتارۃ فی البناء اذا طولتہ نحو قولہ تعالی واذ یرفع ابراهیم القواعد من البیت وتارۃ فی الذکر اذا نوهتہ نحو قولہ ورفعنا لک ذکرک وتارۃ فی المنزلۃ اذا شرفتها نحو قولہ ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات(۱)

الرفع کے معنی اُٹھانے اور بلند کرنے کے ہیں۔ یہ کبھی تو مادی چیز جو اپنی جگہ پر پڑی ہوئی ہو اسے اس کی جگہ سے اُٹھا کر بلند کرنے پر بولا جاتا ہے، جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ ورفعنا فوقکم الطور ''اور ہم نے ان پر طور کو اُٹھایا'' یا یہ ارشادگرامی ہے۔ فرمایا: اللہ الذی رفع السموت بغیر عمد ترونھا ''اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو نہ نظر آنے والے بغیر ستونوں پر اُٹھایا'' اور کبھی عمارت کو کھڑا کرنے کے لئے بولا جاتا ہے جیسے اللہ کا یہ ارشاد ہے فرمایا: واذ یرفع ابراھیم القواعد من البیت ''اور یاد کرو وہ وقت جب حضرت ابراہیم علیہ السلام گھر کی بنیادوں کو اُٹھا رہے تھے'' اور کبھی یہ شرف ومنزلت کے اظہار کے لئے بولا جاتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ فرمایا: ورفعنا بعضھم فوق بعض درجات ''اور ہم نے اُن میں سے بعض کو بعض پر بہ لحاظ درجات برتری عطا کی''۔

اب ہم اس اجمال کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔

رفع اجسام: رفع کے اصل معنی یہ ہیں کہ کسی مادی چیز کو، چاہے وہ جان دار ہو یا بے جان، اس کی جگہ سے جہاں وہ پڑی ہوئی ہو، اُٹھا کر بلند کرنا ہے۔ یہ بلندی زیادہ بھی ہوسکتی ہے اور کم بھی۔ اُٹھائی جانے والی چیز بڑی بھی ہوسکتی ہے اور چھوٹی بھی۔ جیسے قرآن مجید میں بنی اسرائیل پر کوہ طور کو اُٹھا کر ان پر آویزاں کرنے کا ذکر فرمایا گیا ہے تو اسے لفظ ''رفع'' سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشادگرامی ہے۔ فرمایا:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَکُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَکُمُ الطُّوْرَ خُذُوْا مَا آتَیْنَاکُم بِقُوَّۃٍ وَاذْکُرُوْا مَا فِیْہِ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ(۲)

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا۔ کہا جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے، اس کو مضبوطی سے تھام لو اور جو کچھ اس میں ہے اُسے یاد رکھو تاکہ تم پرہیزگار بنو۔

کوہ طور کو یوں بلند کرنے اور ان سے عہد لینے کے بارے میں ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا گیا:

وَرَفَعْنَا فَوْقَھُمُ الطُّوْرَ بِمِیْثَاقِھِمْ وَقُلْنَا لَھُمُ ادْخُلُواْ الْبَابَ سُجَّداً وَقُلْنَا لَھُمْ لاَ تَعْدُواْ فِیْ السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْھُم مِّیْثَاقاً غَلِیْظاً ٥(۳)

اور ہم نے ان پر طور کو ان سے قول وقرار لینے کے لئے اُٹھایا۔ اور ہم نے ان سے کہا کہ وہ شہر کے دروازے میں عاجزی کے ساتھ داخل ہوں اور ہم نے ان سے یہ بھی کہا کہ وہ سبت کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کریں۔ یوں ہم نے ان سے سخت قول وقرار لیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کو جب اللہ تعالیٰ نے طویل فرقت کے بعد اپنے والدین سے شرف ملاقات بخشا تو اُنہوں نے فرط انبساط سے اُنہیں اُٹھا کر تختِ شاہی پر بٹھا دیا۔ قرآن مجید میں اُسے لفظ رفع ہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَرَفَعَ اَبَوَیۡهِ عَلَی الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا۝ (۴)

اور یوسف علیہ السلام نے اپنے ماں باپ کو اُٹھا کر تخت پر بٹھا دیا۔ اور سب اس کے سامنے جھک گئے۔

رفع شرف: کسی چیز کی قدر و منزلت میں اضافے یا شان بلند کرنے کے معنوں میں بھی رفع اور رفعت کے کلمات لائے جاتے ہیں۔ جیسے ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

وَهُوَ الَّذِیۡ جَعَلَکُمۡ خَلٰٓئِفَ الۡاَرۡضِ وَرَفَعَ بَعۡضَکُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبۡلُوَکُمۡ فِیۡ مَاۤ اٰتٰىکُمۡ (۵)

اور وہی اللہ ہی تو ہے جس نے تمہیں زمین پر خلیفہ بنایا۔ اور تمہارے ایک دوسرے پر درجات بلند کیے تاکہ وہ تمہیں جو کچھ دے اس میں تمہیں آزمائے۔

درجات کی بلندی کے بارے میں ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا:

نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ وَفَوۡقَ کُلِّ ذِیۡ عِلۡمٍ عَلِیۡمٌ۝ (۶)

ہم جس کو چاہتے ہیں درجات کی بلندی عطا کرتے ہیں اور ہر صاحب علم سے بڑھ کر عالم ہے۔ یعنی ایک سے ایک بڑھ کر عالم ہے۔

ذات حق کے علو مرتبت کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا:

رَفِیۡعُ الدَّرَجٰتِ ذُو الۡعَرۡشِ ۚ یُلۡقِی الرُّوۡحَ مِنۡ اَمۡرِهٖ عَلٰی مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِهٖ لِیُنۡذِرَ یَوۡمَ التَّلَاقِ۝ (۷)

وہ بڑا عالی مرتبت ہے، مالک عرش ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا روح (یعنی وحی) اپنے حکم سے القا کرتا ہے، تاکہ وہ لوگوں کو ملاقات کے دن (قیامت کے دن) سے ڈرائے

رفیع، رفعت سے صفت شبہ ہے۔ اس کے دو معنی ہوتے ہیں۔ بلند یا بلند کرنے والا۔ یوں رَفِیۡعُ الدَّرَجٰتِ کے معنی ہوئے۔ بلند مرتبت یا رتبے بلند کرنے والا۔ دونوں مطالب یہاں موزوں اور درست ہیں۔

رفعت درجات کے بارے میں ایک اور ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

نَحۡنُ قَسَمۡنَا بَیۡنَهُمۡ مَّعِیۡشَتَهُمۡ فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَرَفَعۡنَا بَعۡضَهُمۡ فَوۡقَ بَعۡضٍ

دَرَجَاتٍ لِيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضاً سُخْرِياً وَرَحْمَتُ رَبِّكَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَo (۸)

ہم نے ہی اُن کے درمیان ان کی دنیوی زندگی تک میں ان کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ہم ہی نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کر رکھے ہیں، تاکہ ایک آدمی دوسرے سے کام لیتا رہے، اور آپ کے رب کی رحمت کہیں بہتر ہے اُس سے جو یہ لوگ جمع کرتے رہتے ہیں۔

درجات کی بلندی تو، چاہے معاشی ہو یا معاشرتی۔ چاہے ذاتی ہو یا منصبی، مطلقاً رفعت اور رفع کے کلمات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسے قرآن مجید میں تمثیلاً ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا ہے جس نے نعمت علم سے مشرف ہونے کے باوجود تمرد اور سرکشی کی راہ اختیار کی اور راندۂ درگاہ ہوگیا۔ ارشاد گرامی ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيَ آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَO وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَـكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِن تَحْمِلْ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ تَتْرُكْهُ يَلْهَث (۹)

اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے، جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں پھر وہ ان سے بالکل نکل گیا۔ سو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا تو وہ بے راہ ہوگیا۔ اور اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیات کے ذریعے بلندی (درجات) عطا کرتے، لیکن وہ زمین کی طرف مائل ہوگیا اور خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے لگا۔ سو اس کی مثال کتے کی سی ہوگئی کہ اگر تو اس پر حملہ کرے ''یعنی دبوچے'' جب بھی ہانپے اُسے چھوڑ دے جب بھی ہانپے۔ یہ مثال ان سب لوگوں کے لئے ہے جو ہماری نشانیوں کو جھٹلاتے ہیں۔

اسی طرح مساجد کے بارے میں جب حکم ہوا کہ ان کی عزت وتکریم کی جائے تو اسے رفع سے تعبیر فرمایا گیا۔ ارشاد ہوا:

فِي بُيُوتٍ أَذِنَ اللَّهُ أَن تُرْفَعَ وَيُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ (۱۰)

وہ پاکیزہ صفت لوگ ایسے گھروں میں ہیں، جن کے لئے اللہ نے حکم دیا ہے کہ ان کا ادب و احترام کیا جائے اور اس کا نام لیا جائے۔

اہل ایمان اور اہل علم کی بلندی درجات کا ذکر فرمایا گیا تو اس کے لئے بھی یہی کلمہ ''رفع'' لایا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے۔

يَرْفَعِ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ (۱۱)

اللہ تعالیٰ تم میں سے جو ایمان والے ہیں اور وہ جو اہل علم ہیں، ان کے درجات بلند کرے گا۔

قیامت کے وقوع اور اس کے اثرات کے ضمن میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ وہ بروں کو ذلیل و خوار اور اچھوں کو شرف و عزت سے نوازے گا۔ فرمایا:

إِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ O لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ O خَافِضَةٌ رَّافِعَةٌ O (۱۲)

جب قیامت قائم ہوگی جس کے قائم ہونے کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ وہ پست کرے گی اور بالا کرے گی۔

یہ پست و بالا، قدر و منزلت میں ہوگا۔ رفعت سے یہاں مراد رفعت شرف ہے۔

رفع محل: کسی مادی چیز کو، اس کی جگہ تبدیل کئے بغیر، اُٹھا کر بلند کر دینا رفع محل ہے۔ یہ بلندی زیادہ بھی ہوسکتی ہے اور کم بھی اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ چیز پہلے سے ہی بلند ہو، اس کو مزید بلند کر دیا جائے۔ اس طرح کہ وہ بلندی کی غایت پر پہنچ جائے۔ جسے قرآن مجید میں آسمان کو بلندی عطا فرمانے کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

أَأَنتُمْ أَشَدُّ خَلْقاً أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا O رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا O (۱۳)

کیا تم لوگوں کی تخلیق زیادہ سخت کام ہے یا آسمان کی؟ اللہ نے جس کو بنایا ہے اور اس کی چھت کو بلند کیا ہے۔ پھر اس کا توازن برقرار رکھا ہے۔

سمك کے اصل معنی ہی بلندی کے ہیں، چھت اس کے مجازاً معنی لئے گئے ہیں۔ آسمان ایک ایسا بلند و بالا چھاتہ ہے جس کے سامنے سب بلندیاں ہیچ ہیں۔ اس لئے رفع اور سمک کے کلمات کو اکٹھا کر دیا گیا ہے۔

چھت کے لئے عربی میں سقف کا لفظ ہے۔ اس کی بلندی کو بھی قرآن حکیم میں رفع ہی سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَالطُّورِ O وَكِتَابٍ مَّسْطُورٍ O فِي رَقٍّ مَّنشُورٍ O وَالْبَيْتِ الْمَعْمُورِ O وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوعِ O وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ O إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ O (۱۴)

قسم ہے پہاڑ کی اور اس کتاب کی جو لکھی ہوئی ہے کھلے کاغذ پر۔ اور قسم ہے بیت معمور کی اور اونچی چھت کی اور پانی سے لب ریز سمندر کی کہ بے شک تیرے رب کا عذاب ضرور ہو کر رہے گا۔

آسمان کی بلندی اور اس کی اونچائی کا جب ذکر فرمایا گیا ہے تو اس کے لئے لفظ رفع ہی لایا گیا ہے۔ ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

وَالسَّمَاءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيزَانَ O (۱۵)

اور آسمان کو اُسی نے بلندی عطا کی اور اُسی نے ترازو وضع کر دی۔

یہ رفع محلی کی شان دار مثال ہے۔ رب تعالیٰ نے آسمان کو اپنی جگہ سے نہیں ہلایا۔ جہاں تھا وہیں رہا۔ وہاں ہی اُسے اتنی رفعت اور بلندی عطا کی گئی کہ سب جسمانی بلندیاں اور رفعتیں ہیچ ہوکر رہ گئیں۔ آسمان ہی سب سے اونچا بن گیا۔

بہشت بریں کا ذکر آیا تو اس میں موجود نعمتوں کو ایک ایک کر کے بیان فرمایا گیا۔ ان نعمتوں میں ایک بلند و بالا تخت بھی ہیں۔ جن کی بلندی کو رفع ہی سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

فِیْ جَنَّةٍ عَالِیَةٍ ○ لَّا تَسْمَعُ فِیْهَا لَاغِیَةً ○ فِیْهَا عَیْنٌ جَارِیَةٌ ○ فِیْهَا سُرُرٌ مَّرْفُوْعَةٌ ○ وَّأَكْوَابٌ مَّوْضُوْعَةٌ ○ وَنَمَارِقُ مَصْفُوْفَةٌ ○ وَزَرَابِیُّ مَبْثُوْثَةٌ○ (۱۶)

وہ بہشت بریں میں ہوں گے۔ اس میں کوئی لغوبات نہ سنیں گے۔ اس میں بہتے ہوئے چشمے ہوں گے۔ اس میں اونچے اونچے تخت بھی بچھے ہوں گے۔ اور آب خورے سامنے رکھے ہوں گے اور قالین بچھے ہوئے ہوں گے اور گدے لگے ہوں گے۔

سرر سریر کی جمع ہے۔ بیٹھنے کی جگہ کو کہتے ہیں۔ سرر مرفوعة یعنی وہ تخت جو بلند و بالا ہوں گے۔ بناوٹ میں بھی اور مکان و مقام کے لحاظ سے بھی وہ اونچے اور بالا ہوں گے۔ لفظ رفع ہر طرح کی بلندی پر محیط ہے۔ اس لئے سرر کی صفت مرفوعۃ لائی گئی۔

رفع محلی کی ایک مثال حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام کے خانہ کعبہ کی تعمیر کے ذکر میں ہے۔ جب اللہ کے یہ دونوں برگزیدہ بندے، اس کے گھر کی تعمیر فرمارہے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی یاد کو تازہ کرنے کے لئے لفظ رفع ہی ذکر کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ○ (۱۷)

اور وہ وقت یاد کیجئے جب حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہم السلام ''اللہ کے'' گھر کی بنیادیں اُٹھارہے تھے اور یہ دعا کررہے تھے کہ اے ہمارے رب ہماری تو بہ قبول فرما۔ یا ہماری یہ کاوش قبول فرما۔ بے شک تو ہی بہت سننے اور بہت ہی جاننے والا ہے۔

رفع قواعد تعمیر کعبہ کے لئے آیا ہے۔ اس سے صرف بنیادیں اُٹھانا مراد نہیں بل کہ مکمل تعمیر مراد ہے۔ جسے رفع قواعد سے تعبیر کیا گیا ہے۔

رفع شرف و محل: کسی چیز کی چاہے وہ ذی روح ہو یا بے روح، گراوٹ اور پستی اس کا عیب اور خامی خیال کی جاتی ہے۔ اسی طرح کسی چیز کا بلند و بالا ہونا اس کا حسن اور خوبی سمجھا جاتا ہے۔ پھر اگر کسی بلند

و بالا چیز اور ذات کو کسی طرح کا اور شرف بھی حاصل ہو جائے تو سونے پہ سہاگہ ہو جاتا ہے یعنی اسے دو رفعتیں مل جاتی ہیں۔ ایک اس کی ذاتی اور دوسری اضافی جو اس کو شرفاً حاصل ہوئی۔ یہاں ہم قرآن مجید میں مذکور چند ایسی رفعتوں کا ذکر کریں گے جن میں رفعت شرف اور رفعت محل دونوں پائے جاتے ہیں۔ یعنی وہ جو بہ لحاظ شرف بھی بلند ہیں اور بہ لحاظ محل بھی اعلیٰ وارفع ہیں۔

رفع سموات: سماوات جمع ہیں سما جس کے معنی بلندی یا کسی چیز کے بالائی حصے کے ہیں۔ سما یعنی آسمان کو اس لئے یہ نام دیا گیا ہے، کیوں کہ وہ بلند ہے اور فلک الافلاک کو سمائے علیا کا نام اس لئے دیا جاتا ہے کہ وہ آسمانوں کا آسمان ہے۔ سب سے بالا اور سب سے ارفع ہے۔ آسمان کی اس صفت رفعت کو آیات خداوندی میں شمار کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَللّٰہُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَھَا (۱۸)

اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو بدوں کسی سہارے کے اونچا بنا کر کھڑا کیا ہے۔

اس رفعت سے دو رفعتیں مراد ہیں۔ ایک رفعت جو اس کے بلند و بالا ہونے میں ہے اور دوسری رفعت جس کا یہاں بہ طور خاص ذکر کیا گیا ہے وہ ہے اس کا بغیر ستونوں کے کھڑا ہونا۔ یعنی اس کا اونچا ہونا۔ ایک شرف ہے اور دوسرا اس کا بغیر ستونوں کے قائم دائم ہونا، ایک اور شرف ہے۔ اس طرح سے سماوات شرفاً اور محلاً دونوں لحاظ سے مرفوع اور ارفع واعلیٰ و بالا ہیں۔

دوسری جگہ آسمان کی بلندی اور رفعت کی طرف بہ طور خاص توجہ دلائی گئی ہے کہ وہ ایک نشان قدرت ہے۔ ارشاد گرامی ہے فرمایا:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ O وَاِلَی السَّمَاءِ کَیْفَ رُفِعَتْ O وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ O وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ O (۱۹)

یہ نہ ماننے والے لوگ کیا اونٹوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بنائے گئے ہیں؟ اور آسمان کو نہیں دیکھتے کہ کیسے اونچا اُٹھایا گیا ہے؟ پہاڑوں کو نہیں دیکھتے کہ کیسے جمائے گئے ہیں؟ اور زمین کو نہیں دیکھتے کہ کیسے بچھائی گئی ہے؟

یہ سب قدرت کے نشانات ہیں جن کا یکے بعد دیگرے ذکر کیا گیا ہے۔ ہر ایک کی صفت خاص کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ آسمان کی صفت خاص اس کی بلندی ہے۔ بلند تو پہاڑ بھی ہوتے ہیں جن کی چوٹیاں آسمان سے باتیں کرتی ہوئی نظر آتی ہیں لیکن وہ آسمان کی بلندی کا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اُنہیں یہ شرف خاص حاصل ہے جو کسی اور مادی چیز کو قدرت کی طرف سے عطا نہیں ہوا۔

رفع صحف: صحف صحیفہ کی جمع ہے۔ جس کے لغوی معنی تو پھیلی ہوئی چیز کے ہیں جیسے صحیفۃ الوجہ چہرے کی کشادگی اور پھیلاؤ کو کہا جاتا ہے۔ پھر ہر اس چیز کو صحیفہ کا نام دیا جاتا ہے جس پر کچھ لکھا جائے۔ اصطلاحاً انبیاء پر جو کچھ اُتارا گیا اس کی لکھی ہوئی صورت صحیفہ ہے جیسے قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ هَـٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْأُولَىٰ O صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ O (۲۰)

بلاشبہ یہ بات پہلے صحیفوں میں بھی موجود ہے۔ جیسے ابراہیم اور موسیٰ علیہم السلام کے صحیفے ہیں۔

اس لئے ان مقدس صحیفوں کو صحف سماوی یا الہامی صحائف کا نام دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں اُنہیں مقدس کہا گیا ہے اور ان کے شرف و منزلت کو لفظ رفع سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور اُنہیں صحف مرفوعہ یعنی بلند و بالا نگارشات قرار دیا گیا ہے۔ اس بارے میں ارشاد گرامی ہے:

فَمَن شَاءَ ذَكَرَهُ O فِي صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ O مَّرْفُوعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ O بِأَيْدِي سَفَرَةٍ O كِرَامٍ بَرَرَةٍ O (۲۱)

ایسی بات ہرگز نہیں، یہ تو ایک نصیحت ہے، جس کا جی چاہے اسے قبول کرے۔ یہ ایسے صحیفوں میں درج ہے جو محترم ہیں۔ اعلیٰ و ارفع ہیں پاک ہیں۔ معزز اور نیک صفت کاتبوں کے ہاتھوں میں رہتے ہیں۔

مرفوعۃ سے دونوں مفہوم نکلتے ہیں۔ یہ کہ وہ اونچی جگہ پر رکھے ہوئے ہیں اور قدر و منزلت کے لحاظ سے بلند و بالا اور اعلیٰ و ارفع ہیں۔ یعنی مذکورہ صحف سماوی محلاً بھی مرفوع ہیں اور شرفاً بھی مرفوع ہیں۔ یہ قرآن مجید کے اسلوب کا کمال ہے کہ وہ ایک ہی کلمے میں بہت سے معانی کو سمو دیتا ہے۔

رفع فُرش: فرش جمع ہے فراش کی۔ جس کے معنی بچھونے بچھانے کے ہوتے ہیں۔ اسی لئے زمین کو بھی بچھونا یعنی فراش کہا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ فِرَاشًا (۲۲)

وہی تو ہے، جس نے تمہارے لئے زمین کو بچھونا بنایا۔

فراش یعنی زمین کو اچھی طرح سے بچھا دیا۔ اس طرح کہ وہ سکونت کے قابل ہوگئی۔ اسے اُبھرا ہوا ناہموار نہیں بنایا کہ اس پر سکونت ناممکن ہو جائے۔ یہ سطح زمین کی یعنی ارض دنیا کی بات ہے۔ آسمانوں میں واقع جنت و بہشت کی زمین کی تو بات ہی اور ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَفَاكِهَةٍ كَثِيرَةٍ O لَّا مَقْطُوعَةٍ وَلَا مَمْنُوعَةٍ O وَفُرُشٍ مَّرْفُوعَةٍ O (۲۳)

اور کثرت سے میوے ہوں گے جو نہ ختم ہوں گے اور نہ اس کی کوئی روک ٹوک ہوگی اور

اونچے فرش ہوں گے۔

یہاں لفظ مَّرْفُوعَۃٍ سے فرش کی عمدگی اور نفاست کا اظہار بھی مقصود ہے۔فرش مَّرْفُوعَۃٍ کے دو مطلب ہیں،ایک یہ کہ وہ بڑے نفیس اور عمدہ ہوں گے۔دوسرا یہ کہ وہ اونچی اوراعلیٰ بلند جگہوں پر بچھے ہوں گے۔

۴۔رفع سُرر: سرر جمع ہے سریر کی۔سریر بہ معنی تخت بھی آتا ہے،یعنی وہ چیز جس پر ٹھاٹھ سے بیٹھا جاتا ہے۔یہ سرور سے مشتق ہے کیوں کہ خوش حال لوگ ہی اس پر بیٹھتے ہیں۔امام راغب اصفہانیؒ سرر کی توضیح بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

السریر یجلس علیه من السرور اذکان ذلك لاولی النعمة جمعه اسرة وسرر قال الله تعالی : متکئین علی سرر مصفوفة، وسریر المیت تشبیها به فی الصورة وللتفائل بالسرور الذی یلحق المیت برجوعه الی جوار الله تعالیٰ وخلاصه من سجنه المشار الیه بقوله صلی الله علیه وسلم : الدنیا سجن المؤمن (۲۴)

سریر وہ چیز ہے جس پر بیٹھا جاتا ہے۔یہ سرور سے ہے،کیوں کہ صاحب ثروت لوگ ہی ایسی نشستوں پر بیٹھتے ہیں۔اس کی جمع اسرۃ اور سرر دونوں طرح سے آتی ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشادفرمایا ہے کہ **متکئین علی سرر مصفوفة** یعنی جنتی بچھے ہوئے تختوں پر تکیہ لگائے بیٹھے ہوں گے۔جنازے کو''المیّت'' کا نام اس لئے دیا جاتا ہے کہ اس کی صورت تخت سے ملتی جلتی ہوتی ہے یا اس نیک شگون کی وجہ سے کہ مرنے والا دنیا کے قید خانے سے رہائی پاکر جوارِالٰہی میں خوش وخرم ہے۔جس کی طرف آں حضور ﷺ کا ارشاد بھی ہے۔یعنی دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔

یہ تو ہوئی سریر کی توضیح۔رفع سریر کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فِيهَا عَيْنٌ جَارِيَةٌ O فِيهَا سُرُرٌ مَّرْفُوعَةٌ O (۲۵)

اس (جنت) میں جاری چشمے ہوں گے اوراس میں بلند وبالا نشست گاہیں ہوں گی۔

مرفوعۃ سے دونوں رفعتیں مراد ہیں۔رفعت محلی بھی اور رفعت شرف بھی۔کیوں کہ جنتیوں کی نشست گاہیں بناوٹ میں بھی اونچی ہوں گی۔شرف ومنزلت کے لحاظ یعنی بلند وبالا ہوں گی۔

رفع ادریس علیہ السلام: حضرت ادریس علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان کا ذکر بہ طور خاص فرمایا ہے۔اوران کے ذکر کو زندہ کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا O وَرَفَعْنَاهُ مَكَانًا عَلِيًّا O (۲۶)

اور کتاب میں ادریس کا ذکر کیجئے۔ بلاشبہ وہ بہت سچے انسان اور اللہ کے نبی تھے اور ہم نے انہیں مقام بلند پر اُٹھایا تھا۔

حضرت ادریس علیہ السلام کے ذی شان اور عالی المرتبت ہونے میں شک نہیں۔ صدیق اور نبی کے کلمات ہی ان کی رفعت شان کے لئے کافی ہیں۔ یہ خصوصی انعام جسے مکانا علیا سے تعبیر کیا گیا ہے وہ کیا ہے؟ اور وہ رتبہ عالیہ اُنہیں کیوں کر عطا کیا گیا ہے۔ اس کا اشارہ اس آیت کریمہ میں ملتا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَإِسْمَاعِيلَ وَإِدْرِيسَ وَذَا الْكِفْلِ كُلٌّ مِّنَ الصَّابِرِينَ O (۲۷)

اور ا سمٰعیل وادریس وذوالکفل کو یاد کرو۔ ان میں سے ہر ایک ثابت قدم اور پیکر وصبر ورضا تھا۔

مذکورہ صدر دونوں ارشادات ربانی پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ان انبیاء میں بڑی گہری وصفی مماثلت ہے، جس کی وجہ سے ان کا ذکر ایک ساتھ کیا گیا ہے۔ ان کو صبر اور استقامت کے بڑے بڑے کڑے امتحانات سے گزرنا پڑا، اور ان میں کامیابی پر اُنہیں بلندی مرتبے کی سرفرازی حاصل ہوئی۔ جس کا ذکر ورفعنا مکانا علیا کے پرشکوہ کلمات کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ہر نبی میں کوئی وصف خاص ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر اُسے رفعت منزلت عطا کی جاتی ہے۔ حضرت ادریس علیہ السلام کی وہ صفت خاص صبر واستقامت ہے۔

حضرت ادریس علیہ السلام جن کا اصل نام حنوک بتایا جاتا ہے، اللہ کے وہ برگزیدہ نبی ہیں جنہوں نے حضرت آدم علیہ السلام کے بعد بے راہ لوگوں کو راہ پر لگانے کا بیڑہ اُٹھایا۔ وہ سالہا سال تک دنیا کے ظلمت کدہ میں نور ہدایت پھیلاتے رہے۔ اُنہیں طرح طرح کی آزمائشوں سے گزرنا پڑا لیکن ان کے پائے استقامت میں ذرہ برابر تزلزل نہ آیا۔ موجودہ تورات میں بھی اس کی تصریح ملتی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں۔

> حنوک پینسٹھ برس کا ہوا تو اس سے متوشارح پیدا ہوا۔ اس کے بعد وہ تین سو برس جیتا رہا اور حنوک خدا کے ساتھ چلتا رہا اور اس سے بیٹے اور بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ اور حنوک کے کل ایام تین سو پینسٹھ برس ہوئے اور وہ خدا کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ اور خدا نے اسے اُٹھالیا اور وہ نمودار نہ رہا۔ (۲۸)

عہد نامہ جدید میں عبرانیوں کے نام پولوس کے مقدس مکتوبات میں ہے۔

> ایمان ہی سے حنوک اُٹھالیا گیا تا کہ موت کو نہ دیکھے اور وہ نمودار نہ رہا۔ اس لئے کہ خدا نے اُسے اُٹھالیا تھا کیوں کہ اس کے اُٹھائے جانے سے پیشتر اس کے حق میں یہ گواہی دی گئی کہ یہ خدا کو پسند آیا ہے۔ پس بغیر ایمان کے خدا کو پسند آنا ناممکن ہے۔ (۲۹)

یہود و نصاریٰ دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت ادریس، زندہ آسمانوں پر اُٹھا لیے گئے جس طرح سے حضرت الیاس علیہ السلام کو زندہ آسمانوں پر اُٹھا لیا گیا تھا۔ (۳۰) یہودیوں کی معروف مذہبی کتاب میں، جو اسرائیلی روایات کا مجموعہ ہے، تفصیلاً بتایا گیا ہے کہ حضرت ادریسؑ کس طرح سے آسمان پر اُٹھائے گئے۔ جس کے آخر میں یہ وضاحت ہے کہ ''حنوک ایک بگولے میں آتشیں رتھ جس کو گھوڑے کھینچ رہے تھے، سوار ہو کر زندہ آسمان پر چڑھ گئے پھر واپس نہ آئے''۔ (۳۱)

مسلمانوں میں بھی یہ بھی عقیدہ پایا جاتا ہے جس کی وضاحت کتب تفاسیر میں ملتی ہے۔ امام ابن حریر طبری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں، جو تفسیر طبری کے نام سے معروف ہے، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت نقل کی ہے کہ جس کا ماحصل یہ ہے کہ حضرت ادریس علیہ السلام کو ایک فرشتہ اپنے پیروں پر اُٹھا کر چوتھے آسمان پر لے گیا۔ وہیں ان کی روح قبض کی گئی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایات کی روشنی میں بتاتے ہیں کہ حضرت الیاس علیہ السلام اور حضرت ادریس علیہ السلام ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم معراج کی رات جب آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے، تو وہاں ان کی ملاقات حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوئی تھی۔ اُنھوں نے آپ ﷺ کا بڑی گرم جوشی کے ساتھ خیر مقدم کیا تھا اور مرحبا بالاخ الصالح کہہ کر آپ ﷺ کو خوش آمدید کہا تھا۔ (۳۲)

یہ تمام تصریحات حضرت ادریس علیہ السلام کے رفع جسمانی کی تائید میں ہیں۔ جو آیت ورفعناہ مکانا علیا کی تفسیر اور توضیح کے تحت بیان ہوئے ہیں۔ لیکن بیشتر مفسرین کا قول یہ ہے کہ آیت کریمہ میں جس رفعت کا ذکر کیا گیا ہے، وہ جسمانی نہیں روحانی ہے۔ مکانی نہیں، معنوی ہے۔ اس سے محض شرف نبوت اور تقرب عنداللہ مراد ہے۔ امام زمخشری رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ میں:

المکان العلی ای بشرف النبوۃ والزلفی عنداللہ (۳۳)

امام بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی ان سے ملتی جلتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

ورفعناہ مکانا علیا یعنی شرف النبوۃ والزلفی عنداللہ (۳۴)

اور ہم نے اُنہیں مقام بلند عطا کیا یعنی شرف نبوت بخشا اور اپنا قرب عطا کیا۔

ورفعناہ مکانا علیا ای رفعنا قدرہ وشرفناہ بالمناجاۃ (۳۵)

اور ہم نے اُنہیں مقام بلند عطا کیا یعنی ہم نے ان کی قدر و منزلت بڑھائی اور اُنہیں ہم کلام ہونے کا شرف بخشا۔

علامہ آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ عام سابقہ تفاسیر کا نچوڑ پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

هذا الرفع اقتضانه علو الشان ورفعة القدر (۳۶)

یہ رفعت، علوشان اور رفعت قدر کی ہے۔

شیخ محی الدین ابن العربی رفع ادریس کے بارے میں صوفیانہ نقطہ نظر بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَرَفَعْنَاهُ مَكَاناً عَلِيّاً العلو نسبتان علو مكان وعلو مكانة فعلو المكان فى قوله تعالى وَرَفَعْنَاهُ مَكَاناً عَلِيّاً (۳۷) واعلى الامكنه المكان الذى يدور عليه رمى عالم الافلاك وهو فلك الشمس وفيه مقام روحانية ادريس عليه السلام و تحته سبعة افلاك وقوله سبعة افلاك وهوا الخامس عشر فالذى فوقه فلك الاهمر وفلك المشترى وفلك كتوان وفلك المنازل والفلك الاطلس وفلك الكرسى وفلك العرش والذى دونه فلك الزهرة وفلك الكاتب وفلك القمر وكرة الاثيره و كرة الهواء وكرة الماء وكرة التراب فمن حيث هو قطب الافلاك هوا رفيع المكان واما علوالمكانة فهولنا اعنى المحمديين قال الله تعالى وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ (۳۸) والله معكم فى هذا العلو وهوا يتعالى عن المكان لاعن المكانة (۳۹)

علو یعنی رفعت کی دو نسبتیں ہیں ایک علو مکان اور دوسری علو تمکین۔ علو مکان حضرت ادریس علیہ السلام کو حاصل ہوئی۔ چناں چہ ارشاد ہوا وَرَفَعْنَاهُ مَكَاناً عَلِيّاً ''میں نے ادریس علیہ السلام کو مکان عالی پر رفعت دی'' اور مکانات میں اعلیٰ مکان وہ ہے جس پر عالم افلاک کی چکی گردش کرتی ہے اور فلک الشمس ہے۔ اسی میں حضرت ادریس علیہ السلام کی روحانیات کا مقام ہے۔ اور اس کے نیچے سات فلک ہیں اور اس کے اوپر سات فلک ہیں۔ اور وہ یعنی فلک الشمس پندرہواں فلک ہے۔ وہ فلک جو اس کے اوپر ہیں وہ یہ ہیں۔ فلک احمر یعنی فلک مریخ، فلک مشتری، فلک کیوان یعنی زحل فلک منازل، فلک اطلس (فلک البروج) فلک کرسی، فلک عرش، اور وہ فلک جو اس کے نیچے ہیں، وہ یہ ہیں۔ فلک زہرہ، فلک کاتب یعنی فلک عطارد، فلک قمر، کرہ نار، کرہ ہوا، کرہ پانی، کرہ خاک۔ پس اس جہت سے فلک الشمس آسمانوں کا قطب ہے۔ حضرت ادریس رفیع المکان ہوئے اور علو تمکین ہم محمدیوں کو حاصل ہے۔ چناں چہ ارشاد باری تعالیٰ ہے وَأَنتُمُ الأَعْلَوْنَ والله معكم ''تم لوگ علو

کے درجے میں ہو، اس میں اللہ تمہارے ساتھ ہے''۔

رفع مسیح علیہ السلام: حضرت ادریس علیہ السلام کی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی رفعت مکان اور رفعت منزلت عطا ہوئی۔ قرآن مجید میں ان کی رفعت کا کھلے لفظوں میں تذکرہ موجود ہے۔ فرمایا:

إِذْ قَالَ اللّٰهُ يَا عِيْسَى إِنِّيْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ إِلَيَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ (۴۰)

وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تمہیں پورا پورا دینے والا ہوں اور تمہیں اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں اور اُن لوگوں سے تمہیں پاک کرنے والا ہوں جو کفر اختیار کر چکے ہیں اور جو تیرے پیروکار ہیں اُنہیں میں قیامت تک کافروں پر فوقیت عطا کرنے والا ہوں۔

دوسرے مقام پر اس کی مزید تصریح فرمائی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ وَإِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهِ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا○ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ إِلَيْهِ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا○ (۴۱)

اور یہ ان کا محض کہنا ہے کہ ہم نے اللہ کے رسول عیسیٰ بن مریم کو قتل کر ڈالا ہے۔ حقیقتاً وہ اُنہیں قتل نہ کر سکے اور نہ ہی اُنہیں سولی پر چڑھا سکے، بل کہ معاملہ اُن کے لئے مشتبہ کر دیا گیا اور جن لوگوں نے اس کے بارے میں اختلاف کیا ہے وہ بھی دراصل شک میں مبتلا ہیں۔ اُن کے پاس اس بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔ محض گمان ہی کی پیروی کر رہے ہیں۔ یقیناً اُنہوں نے مسیح کو قتل نہیں کیا بل کہ اللہ نے اُن کو اپنی طرف اُٹھالیا اور اللہ تعالیٰ زبردست قوت رکھنے والا اور بہت ہی زیادہ حکمت و دانائی کا حامل ہے۔

علامہ الراغب الاصفہانی رحمتہ اللہ علیہ آیات کریمہ میں مذکورہ اس رفعت کو رفعت جسمانی اور روحانی دونوں سے تعبیر فرماتے ہیں۔ لکھتے ہیں:

الرفع تارة فی المنزلة اذا شرفتها نحو قوله ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات نرفع درجات من نشاء وقوله تعالیٰ بل رفعه الله الیه یحتمل رفعه الی السماء ورفعه من حیث التشریف (۴۲)

رفع کبھی قدر و منزلت میں ہوتی ہے جب اُسے شرف بخشا جائے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کے اس

ارشادگرامی میں ہے ورفعنا بعضھم فوق بعض دراجات ''ہم اُن کے درجات ایک دوسرے پر بلند کرتے ہیں'' یا دوسری جگہ ہے نرفع درجات من نشاء ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں۔ یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے بل رفعه الله ال

یہ ''اللہ نے ان کو اپنی طرف اُٹھالیا''۔ یہ اُٹھانا اور بلند کرنا جسمانی بھی ہوسکتا ہے اور روحانی بھی۔ یہ کہ اللہ نے اُنہیں زندہ آسمان پر اُٹھالیا یا یہ کہ اللہ نے اُنہیں رفعت شرف و منزلت عطا فرمائی ہے۔

علامہ موصوف آیت کریمہ متوفیك و رافعك کے تحت لکھتے ہیں:

قوله تعالى انى متوفيك ورافعك الى توفى رفعة واختصاص لاتو فى موت قال ابن عباس توفى موت لانه اماته ثم احياه (۴۳)

اللہ تعالیٰ کے اس قول انی متوفیك ورافعك الی کا مطلب ہے کہ اللہ نے رفعت خاص عطا فرمائی موت کے ساتھ نہیں۔ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ نے اُنہیں موت دی پھر زندہ کرکے اپنی طرف اُٹھالیا۔

امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس بارے میں خوب ژرف نگاہی فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں:

انى متوفيك ورافعك الى انى متم عمرك فحينئذ اتوفاك وهذا تاويل حسن (۴۴)

انی متوفیك ورافعك کا مطلب ہے کہ میں تمہاری عمر پوری کروں گا۔ پھر تمہیں وفات دوں گا۔ تمہیں ان کے اندر نہیں رہنے دوں گا کہ وہ تمہیں مار ڈالیں بلکہ میں تمہیں آسمان پر اُٹھالوں گا اور میں تمہیں اپنا قرب عطا کروں گا اور تمہیں بچالوں گا کہ وہ تمہیں قتل نہیں کرسکیں۔ یہ خوب صورت تاویل ہے۔ تعظیم و شرف کے جس سیاق میں یہاں ذکر رفع اللہ کا آیا ہے وہ خود اس امر کی دلیل ہے کہ یہ رفع کوئی امتیازی اور مخصوص ہے۔ متقین و صالحین کے عام دخول جنت اور وہاں کی لذات جسمانی وحسی سے الگ سے ہے۔

رفع ذکر: رفع ذکر یعنی ذکر کی بلندی سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر گرامی قدر کی بلندی ہے جس سے ذاتِ حق نے آپ ﷺ کو سرفراز فرمایا اور اس کا تذکرہ یوں عالی شان انداز بیان میں فرمایا:

أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝ وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ ۝ الَّذِىٓ أَنقَضَ ظَهْرَكَ ۝ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ ۝ (۴۵)

کیا ہم نے آپ کا سینہ کھول نہیں دیا اور جو بوجھ تمہاری کمر توڑے دے رہا تھا، اس کو تمہارے اوپر سے اُتار نہیں دیا اور تمہارا آوازہ بلند نہیں کیا۔

رفع ذکر کے معنی اہل لغت نے شہرت دینے اور چرچا کرنے کے کہے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں کسی کی نیک نامی کا چرچا کرنا اور اس کا آوازہ بلند کرنا رفع الذکر ہے۔ جیسا کہ علامہ راغب الاصفہانی رفع الذکر کے معانی پر روشنی ڈالتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

الرفع تارۃ فی الاجسام الموضوعۃ اذا اعلیتھا عن مقرھا تارۃ فی البناء اذا طولتہ وتارۃ فی الذکر اذا نوھتہ نحو قولہ تعالیٰ ورفعنا لک ذکرک (۴۶)

رفع یعنی بلند کرنا کبھی رکھی ہوئی مادی چیزوں کا ہوتا ہے جب آپ اسے اس کی جگہ سے بلند کردیں اور کبھی عمارت کا بلند کرنا ہوتا ہے جب کہ آپ اسے اونچا اُٹھائیں اور کبھی ذکر کا بلند کرنا ہوتا ہے جب کہ آپ اس کا چرچا کریں جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے **ورفعنا لک ذکرک**

اکثر مفسرین نے رفع ذکر کا یہی مطلب لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر یہ خصوصی انعام اور فضل عظیم فرمایا کہ آپ کو گم نامی سے نکال کر شہرت اور نام وری کے کمال پر پہنچا دیا۔ ایسے اسباب پیدا فرمائے جس سے آپ کا نام نامی پھیلتا چلا گیا۔ تھوڑے ہی عرصے میں آپ ﷺ کا شہرہ چہار جانب گونجنے لگا۔ عرب و عجم آپ کے گل ذکر کی خوش بو سے مہک اُٹھے۔ یہ شہرہ آپ ﷺ کی نبوت اور آپ کی ذات نیک صفات کے حوالے سے تھا اور آپ کی ذات گرامی جو بے مثل و بے مثال مناقب اور محاسن کا مرقع ہے اور آپ ﷺ کی نبوت جو سلامتی اور امن کا پیغام ہے اس لئے آپ کا شہرہ جہاں جہاں پہنچا وہاں وہاں آپ کی نبوت کی برکات بھی پہنچیں۔ دنیا آپ کے مناقب اور محاسن سے آشنا ہوئی۔ آپ ﷺ کے معجزانہ کمالات بھی اُن تک پہنچے۔ جن کے اپنے اور غیر سب معترف ہونے پر مجبور ہوگئے۔ چناں چہ اب یہ کہنا بجا ہوگا کہ رفع الذکر کے معنی صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نام وری اور شہرت نہیں بل کہ یہ آپ ﷺ کی ذات بابرکات اور کمالاتِ نبوت کی کثرتِ شہرت کا نام ہے۔ اس حوالے سے رفع الذکر میں وہ سب کچھ شامل ہے جو آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کے ضمن میں آتا ہے۔ اس میں آپ کے فضائل آپ کے شمائل آپ کے درجات دنیوی واخروی۔ اسی طرح آپ ﷺ کی برکات دنیوی واخروی اور آپ کے اسمائے گرامی جو آپ کے اوصاف حمیدہ کے عنوان اور آپ ﷺ کے مناقب کے امین ہیں، سب رفع ذکر کے تحت آتے ہیں۔ پس رفع الذکر آپ ﷺ کی ذات بابرکات اور نبوت بیضا کے رفعت تذکرہ کا نام ہے۔

رفع الذکر ایک منفرد ترکیب ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو شرف عطا کرنے کے لئے بیان فرمائی ہے۔ قرآن مجید کے علاوہ پورے عربی ادب میں اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔ رفع الذکر ایسا جامع ارشاد ہے جس میں جسمانی اور روحانی سب رفعتیں شامل ہیں۔ اسرا کے حوالے سے یہ رفعت محلی بھی ہے کہ آپ ﷺ کو ذاتِ حق نے افلاک کی سیر کرائی عالم بالا کی رفعتوں سے سرفراز فرمایا اور آپ ﷺ کی ذی شان نبوت اور ذات بابرکات کے لحاظ سے رفع الذکر کو رفع اشرف بھی کہا جا سکتا ہے۔

رموز رَفَعْنَا

الرفع ''بلند کرنا'' مصدر سے رفعنا ''ہم نے بلند کیا'' فعل ماضی کے جمع متکلم کا صیغہ ہے۔ قرآن مجید میں جہاں بھی آیا ہے تعظیم، تکریم اور تشریف کے لئے آیا ہے۔ یہ ایک شاہانہ اسلوب ہے۔ اس سے جہاں جلالت خداوندی کا اظہار ہوتا ہے وہاں فعل کی عظمت اور شان میں اضافہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ جیسے کوہِ طور کو بلند کرنے کا جب ذکر فرمایا گیا تو صیغہ رفعنا کے ساتھ ہی فرمایا گیا، کیوں کہ وہ ایک عظیم کارنامہ ہے جو ذات کبریا کے علاوہ کسی سے ممکن ہی نہیں۔ دور جدید جو ایٹمی قوت کا دور ہے۔ تحقیق وفن کمال عروج تک پہنچا ہوا ہے۔ لیکن اب بھی یہ ممکن نہیں کہ کسی چھوٹے سے چھوٹے پہاڑ کو اُٹھا کر یوں فضا میں معلق کر دیا جائے جیسے بادل ہمارے سروں پر نظر آتے ہیں۔ ذاتِ حق نے جب بنی اسرائیل پر کوہِ طور کو بلند کرنے کا ذکر فرمایا تو ان الفاظ کے ساتھ فرمایا:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُواْ مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ (۴۷)

اور وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا اور تمہارے اوپر طور پہاڑ کو اٹھایا اور کہا کہ جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے اسے مضبوطی سے تھام لو یعنی پلے باندھ لو۔

انسان کی معاشی زندگی میں درجے بندی ایک مشکل اور عظیم کام تھا۔ جب ذاتِ حق نے اپنی قوت کاملہ کے ساتھ اس کی درجے بندی کا ذکر فرمایا تو صیغہ ورفعنا سے ہی فرمایا، ارشاد گرامی ہے:

نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَرَفَعْنَا بَعْضَهُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ (۴۸)

ہم نے ہی اُن کے درمیان اُن کی دنیوی زندگی تک میں اُن کی روزی تقسیم کر رکھی ہے اور ہم ہی نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کر رکھے ہیں۔

اسی طرح ادریس علیہ السلام کو جب ذات کبریا نے عظمت اور شرف سے نوازا تو اس کے ذکر کے

لئے رفعنا کا صیغہ ہی لایا گیا۔ ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقاً نَّبِيّاً O وَرَفَعْنَاهُ مَكَاناً عَلِيّاًO (۴۹)

اور کتاب میں ادریس کا ذکر بھی کیجئے۔ بلاشبہ وہ بہت سچے انسان اور اللہ کے نبی تھے۔ ہم نے اُن کو بہت اونچے مقام تک بلند کیا۔

یعنی جس مقامِ بلند سے ہم نے اُن کو نوازا ہے، کوئی اس مقام تک ہماری قوت وتائید کے بغیر نہیں پہنچ سکتا۔ مقام بھی عظیم ہے اور رفعت عمل بھی عظیم اور فہیم ہے۔

ایک ایسے شخص کا ذکر آیا جو بڑا خوش حال تھا لیکن بداعمال تھا۔ شیطان اس کے دل میں گھر کر گیا تھا۔ راہ حق سے کوسوں دور نکل گیا تھا، تو فرمایا کہ ہم چاہیں تو اس کو کان سے پکڑ کر سیدھی راہ پر لا سکتے ہیں۔ ہمارے پاس اتنی قوت ہے کہ جبراً کسی کو نیک بنادیں لیکن ہم کسی کے عمل کی آزادی سلب نہیں کرتے۔ اسے کام کرنے کا موقع دیتے ہیں، ارشاد گرامی یہ ہے:

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِيَ آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانسَلَخَ مِنْهَا فَأَتْبَعَهُ الشَّيْطَانُ فَكَانَ مِنَ الْغَاوِينَ O وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَـكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الأَرْضِ وَاتَّبَعَ هَوَاهُ (۵۰)

اور ان کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے جس کو ہم نے اپنی نشانیاں دی تھیں۔ پھر وہ اُن سے بالکل نکل گیا۔ سو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا۔ تو وہ بالکل بے راہ ہو گیا۔ اگر ہم چاہتے تو اس کو ان آیات کے ذریعے بلندی درجات عطا کر سکتے تھے۔ یعنی صرف راہِ راست پر نہیں بل کہ اس کو شرف ومنزلت بھی عطا کر سکتے تھے لیکن وہ اس قابل ہی نہ تھا کیوں کہ وہ زمین کی طرف مائل ہو گیا۔ دُنیا کا پجاری بن گیا۔ اور اپنی خواہشات نفسانی کی پیروی کرنے لگا۔

ذات کبریا نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے انعامات فاضلہ کا تذکرہ فرمایا تو ان انعامات میں سے ایک کے لئے کلمہ رَفَعْنَا کا انتخاب فرمایا۔ ارشاد ہوا ہے:

''وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ'' اسے ''رفعتُ لك ذكرك'' (میں نے آپ کے لئے آپ کے ذکر کو بلند کیا) بھی فرمایا جا سکتا تھا۔ جیسے حضرت موسیٰ علیہ اسلام کو ذات حق نے مخاطب کرتے فرمایا:

إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّكَ مَا يُوحَى O أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِيO (۵۱)

اے موسیٰ! وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تمہاری ماں کے دل میں وہ بات ڈالی جو ڈالنی

چاہیے تھی یہ کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے۔ دریا اسے ساحل پر پھینک دے گا اور اسے میرا اور اس بچے کا دشمن اٹھالے گا اور میں نے تم پر اپنی محبت کا پرتو ڈال دیا تاکہ تمہاری پرورش میری نگرانی میں ہو۔

اپنی اس مہربانی کا اظہار صیغہ واحد متکلم (أَلْقَيْتُ میں نے ڈالی) سے فرمایا، صیغہ جمع متکلم القینا سے نہیں فرمایا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنی دوسری مہربانی کا ذکر فرمایا تو اسے بھی صیغہ واحد متکلم سے فرمایا ارشاد ہوا

وَاصْطَنَعْتُكَ لِنَفْسِي (۵۲)

اے موسیٰ! میں نے تمہیں اپنے کام کے لئے چن لیا ہے۔

تیسری مہربانی جو رب تعالیٰ نے حضرت موسیٰ پر فرمائی اس کا تذکرہ بھی اسی طرح صیغہ واحد متکلم میں فرمایا۔ ارشاد ہوا۔

وَلِتُصْنَعَ عَلَىٰ عَيْنِي (۵۳)

اور اے موسیٰ! میں چاہتا ہوں کہ تیری پرورش میری نگرانی میں ہو۔

عَيْنِي ضمیر واحد متکلم ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی طرح اپنے انعام خاص کا ذکر فرمایا تو صیغہ واحد متکلم سے نہیں جمع متکلم سے فرمایا۔ ارشاد ہوا:

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَإِنَّكَ بِأَعْيُنِنَا (۵۴)

اور اپنے پروردگار کے حکم پر استقامت اختیار کیجئے، آپ ہماری نگرانی اور حفاظت میں ہیں۔

عینی کی نسبت بِأَعْيُنِنَا میں زیادہ شان وعظمت جھلکتی ہے۔ زیادہ شرف ومنزلت کا اظہار ہوتا ہے۔ بالکل یہی صورت وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ میں ہے۔ رَفَعْتُ لَكَ ذِكْرَكَ (میں نے تیرے لئے تیرے ذکر کو بلند کیا) نہیں فرمایا بل کہ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (ہم نے تمہارے لئے تمہارے ذکر کو بلند فرمایا) فرمایا۔ جس میں ایک شکوہ ہے ایک شان ہے اور عظمت وجلالت کا اظہار ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس پیرایہ بیان سے ذات کبریا کی جلالت کا بھی اظہار ہوتا ہے لیکن مقصود اس سے ذکر کی عظمت بیان کرنا ہے، کیوں کہ اللہ جل شانہ کی جلالت لفظوں کی محتاج نہیں وہ نہ تو گھٹ سکتی ہے اور نہ بڑھ سکتی ہے۔ گھٹنا بڑھنا اگر ہوسکتا ہے تو ذکر کا ہوسکتا ہے۔ اس لئے فرمادیا گیا کہ ہم (خالق ارض و سموات مالک الملک) جس کی شان چاہتے ہیں بڑھاتے ہیں جس کا ذکر چاہتے ہیں بلند کرتے ہیں۔ کیا مجال کہ کوئی اس میں کمی کرسکے یا اس کا تصور بھی لاسکے!

صیغہ جمع متکلم سے رفعت شان کی قرآن میں بے شمار مثالیں ملتی ہیں۔ جن کا یہاں ذکر خالی از حکمت نہ ہوگا۔ قرآن مجید کی حفاظت ایک کارعظیم تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے از راہ عنایت اس کی حفاظت کا ذمہ خود اٹھالیا تو اس کا اعلان یوں فرمایا گیا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ○ (۵۵)

یقیناً ہم ہی نے ذکر کو اتارا اور یقیناً ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

نَزَّلْنَا اور اِنَّا جمع متکلم کے صیغے ہیں۔ ان سے عظمت فعل مقصود ہے۔

انسان کی تخلیق، قدرت کا ایک شاہ کار ہے، اللہ تعالیٰ نے جب بھی اس کا ذکر فرمایا، صیغہ جمع متکلم سے فرمایا، ارشادات گرامی پر نظر ڈالئے:

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلآئِكَةِ اسْجُدُواْ لآدَمَ (۵۶)

اور یقیناً ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا اور ہم نے تمہاری صورت گری کی پھر ہم ہی نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الإِنسَانَ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ (۵۷)

اور یقیناً ہم ہی نے انسان کو گارے کی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا۔

انسان کو عزت و تکریم سے نوازنے کا ذکر فرمایا گیا تو صیغہ جمع متکلم سے فرمایا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُم مِّنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً○(۵۸)

اور ہم نے بنی آدم کو بڑا شرف بخشا اور ہم نے انہیں خشکی اور تری پر سوار کردیا اور انہیں پاکیزہ روزی عطا کی۔ اور انہیں اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت عطا فرمائی۔

قرآن مجید میں صلح حدیبیہ کے عظیم تاریخی واقعے کو فتح مبین کا نام دیا گیا ہے۔ جب اس کا ذکر فرمایا گیا تو اس کے لئے جمع متکلم کا صیغہ ہی لایا گیا۔ ارشاد ہوا:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً ○ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطاً مُّسْتَقِيماً○ (۵۹)

بلا شبہ ہم ہی نے آپ ﷺ کی خاطر ایک کھلم کھلی فتح عطا فرمائی۔ تا کہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف کردے اور آپ پر احسانات کی اور زیادہ تکمیل کردے اور آپ کو راہ مستقیم پر گامزن فرمائے۔

انبیائے کرام سے عہد لینے کا تذکرہ فرمایا گیا تو اس کے لئے یہی انداز بیان اختیار فرمایا گیا۔ واحد متکلم کی بہ جائے جمع متکلم کا صیغہ لایا گیا۔ ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّيْنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُوحٍ وَإِبْرَاهِيْمَ وَمُوسَى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ (۶۰)

اور یاد کرو وہ وقت جب ہم نے نبیوں سے پختہ عہد لیا، آپ سے لیا آپ سے پہلے کے انبیاء نوح علیہ اسلام سے لیا، ابراہیم علیہ السلام سے، موسیٰ علیہ اسلام اور عیسیٰ بن مریم سے لیا۔

اسی طرح احوال عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی اس صیغہ تعظیم وتشریف کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے برگزیدہ پیغمبر تھے۔ ان پر رب تعالیٰ نے خصوصی انعامات فرمائے تھے۔ جن کا تذکرہ اس طرح سے فرمایا گیا ہے:

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلاً إِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّونَ O وَقَالُوا أَآلِهَتُنَا خَيْرٌ أَمْ هُوَ مَا ضَرَبُوهُ لَكَ إِلَّا جَدَلاً بَلْ هُمْ قَوْمٌ خَصِمُونَ O إِنْ هُوَ إِلَّا عَبْدٌ أَنْعَمْنَا عَلَيْهِ وَجَعَلْنَاهُ مَثَلاً لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ O وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنكُم مَّلَائِكَةً فِي الْأَرْضِ يَخْلُفُونَO (۶۱)

اور جب مریم کے بیٹے عیسیٰ (علیہ السلام) کا حال بیان کیا گیا تو آپ کی قوم کے لوگ (خوشی یا شرارت) سے چلا اٹھے اور کہنے لگے کیا ہمارے دیوتا اچھے یا عیسیٰ؟ یہ بات انہوں نے صرف شرارتاً آپ سے کی۔ وہ بڑے شرارتی لوگ تھے۔ عیسیٰ ''علیہ السلام'' تو ہمارے خاص بندے تھے جس پر ہم نے اپنا فضل خاص فرمایا تھا اور انہیں بنی اسرائیل کے لئے اپنی قدرت کا ایک خاص نمونہ بنایا تھا۔ اور اگر ہم چاہیں تو تم میں سے فرشتے پیدا کردیں۔ جو زمین میں تمہاری جگہ رہیں۔

انعمنا ''ہم نے انعام کیا'' اور جعلنا ''ہم نے بنایا'' جمع متکلم کے صیغے ہیں جو جلالت فعل کے لئے لائے گئے ہیں۔ اسی طرح اس آیت کریمہ میں بھی صیغہ تعظیم وتشریف کی مثال موجود ہے۔ ارشاد ہے:

وَقَفَّيْنَا بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَآتَيْنَاهُ الْإِنجِيلَ وَجَعَلْنَا فِي قُلُوبِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوهُ رَأْفَةً وَرَحْمَةً وَرَهْبَانِيَّةً ابْتَدَعُوهَا مَا كَتَبْنَاهَا عَلَيْهِمْ إِلَّا ابْتِغَاءَ رِضْوَانِ اللَّهِ فَمَا رَعَوْهَا حَقَّ رِعَايَتِهَا فَآتَيْنَا الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ وَكَثِيْرٌ مِّنْهُمْ فَاسِقُونَo (۶۲)

اور ان سب کے پیچھے عیسیٰ (علیہ السلام) کو بھیجا جو مریم کا بیٹا تھا۔ اور اس کو ہم نے انجیل دی۔

اور جو لوگ اس کے تابع ہوئے ان کے دلوں میں ہم نے نرمی اور مہربانی رکھی اور ان لوگوں نے ترک دنیا کی روش نکال لی جس کا ہم نے انہیں حکم نہ دیا تھا۔ مگر انہوں نے خود اسے اللہ کی رضا جوئی کا ذریعہ بنالیا۔ پھر جیسا انہیں چاہئے تھا ویسا اس کی نباہ نہ سکے۔ البتہ جو لوگ ان میں صاحب ایمان تھے ان کو ان کا ثواب عطا فرمایا اور ان میں سے بیشتر لوگ نافرمان ہیں۔

قفینا ''ہم نے درپے بھیجے'' اتینا ''ہم نے عطا کیے'' جعلنا ''ہم نے بنائے'' کتبنا ''ہم نے فرض کئے'' جمع متکلم کے صیغے ہیں۔ جن سے شرف و عظمت ہویدا ہے۔

احوال موسیٰ علیہ السلام قرآن میں بڑے ذی شان انداز میں بیان ہوئے ہیں۔ ان میں رموز رفعنا کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ حضرت موسیٰؑ کی ذات گرامی پر جو اللہ نے بے شمار انعامات فرمائے ان کا تذکرہ صیغہ جمع متکلم میں فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى O إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَى أُمِّكَ مَا يُوحَى O أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ الْيَمُّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَعَدُوٌّ لَّهُ وَأَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّي وَلِتُصْنَعَ عَلَى عَيْنِي O إِذْ تَمْشِي أُخْتُكَ فَتَقُولُ هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَى مَن يَكْفُلُهُ فَرَجَعْنَاكَ إِلَى أُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ وَقَتَلْتَ نَفْساً فَنَجَّيْنَاكَ مِنَ الْغَمِّ وَفَتَنَّاكَ فُتُوناً O (۶۳)

اور ہم نے تم پر ایک بار پھر احسان کیا۔ یاد کرو وہ وقت جب کہ ہم نے تمہاری ماں کے دل میں وہ بات ڈالی جو ڈالنی چاہئے تھی یہ کہ اس بچے کو صندوق میں رکھ دے اور صندوق کو دریا میں چھوڑ دے۔ دریا اسے ساحل پر پھینک دے گا اور اسے پر اور اس بچے کا دشمن اٹھا لے گا۔ پھر میں نے اپنی مہربانی سے ان کے دلوں میں تیری محبت ڈالی اور ایسا انتظام کیا کہ تو میری نگرانی میں پالا جائے۔ یاد کرو جب تمہاری بہن چل رہی تھی اور پھر جا کر کہتی ہے' میں تمہیں اس کا پتہ دوں جو اس بچے کی پرورش اچھی طرح کرے؟'' اس طرح ہم نے تمہیں اپنی ماں کے پاس پہنچا دیا تا کہ اس کا کلیجہ ٹھنڈا رہے۔ اور وہ اداس نہ ہو۔ یاد کرو وہ وقت جب تم نے ایک شخص کو مار ڈالا تھا اور اس کے بارے میں تم بڑے مغموم تھے ہم نے ہی تمہیں اس غم سے نجات دی اور تمہیں مختلف آزمائشوں میں سے (کامیابی کے ساتھ گزارا)

اس چھوٹے سے بیان میں جمع متکلم کے کئی صیغے آتے ہیں۔ جیسے مننا ''ہم نے احسان کیا'' اوحینا ''ہم نے دل میں بات ڈالی'' فرجعناك ''ہم نے تمہیں لوٹائی'' فنجیناك ''ہم نے تمہیں نجات دی''

وفتناك ''ہم نے تمہیں آزمایا'' ان تمام صیغہ جات میں تعظیم وتشریف کی اعلیٰ مثال ملتی ہے۔

یہی مضمون دوسری جگہ ذرا مختلف انداز میں بیان ہوا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَى مُوسَى وَهَارُونَ O وَنَجَّيْنَاهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ O وَنَصَرْنَاهُمْ فَكَانُوا هُمُ الْغَالِبِينَ O وَآتَيْنَاهُمَا الْكِتَابَ الْمُسْتَبِينَ O وَهَدَيْنَاهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ O وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْآخِرِينَ O (۶۴)

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا اور انہیں اور ان کی قوم کو بہت بڑی مصیبت سے بچایا اور ان کی مدد کی جس سے وہ غالب آگئے اور انہیں روشن کتاب دی، سیدھا راستہ دکھایا۔

انعامات خداوندی کا تذکرہ قرآنِ حکیم کے بنیادی موضوعات میں سے ایک ہے۔ذاتِ حق نے جب بھی ان کا ذکر فرمایا تو صیغہ جمع متکلم سے فرمایا، تاکہ ان کی عظمت ذہنوں میں نقش ہو جائے۔تخلیق کائنات اور اس کے عجائبات کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا گیا:

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَاداً O وَالْجِبَالَ أَوْتَاداً O وَخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجاً O وَجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتاً O وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاساً O وَجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشاً O وَبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعاً شِدَاداً O وَجَعَلْنَا سِرَاجاً وَهَّاجاً O وَأَنزَلْنَا مِنَ الْمُعْصِرَاتِ مَاء ثَجَّاجاً O لِنُخْرِجَ بِهِ حَبّاً وَنَبَاتاً O وَجَنَّاتٍ أَلْفَافاً O (۶۵)

کیا ہم نے زمین کو تمہارا بچھونا نہیں بنایا اور پہاڑوں کو زمین کی میخیں نہیں بنایا اور ہم ہی نے تمہارے جوڑے بنائے اور ہم نے ہی تمہارے لئے نیند کو آرام بنایا اور ہم نے ہی رات کو تمہارا اوڑھنا (پردہ پوشی) اور دن کو تمہارے لئے روزی کمانے کا ذریعہ بنایا۔اور ہم نے ہی تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے اور ہم نے ہی ایک روشن چراغ بنایا اور ہم نے ہی بادلوں سے زور کا مینہ برسایا، اس لئے کہ اس کے ذریعے غلہ اور چارہ اگائیں، گھنے گھنے باغ لگائیں۔

یہی مضمون سورۃ عبس میں ذرا دوسرے انداز میں بیان ہوا ہے ارشاد ہوتا ہے:

فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ إِلَى طَعَامِهِ o أَنَّا صَبَبْنَا الْمَاء صَبّاً o ثُمَّ شَقَقْنَا الْأَرْضَ شَقّاً o فَأَنبَتْنَا فِيهَا حَبّاً o وَعِنَباً وَقَضْباً o وَزَيْتُوناً وَنَخْلاً o وَحَدَائِقَ غُلْباً o وَفَاكِهَةً وَأَبّاً o مَّتَاعاً لَّكُمْ وَلِأَنْعَامِكُمْ o (۶۶)

انسان کو چاہئے کہ وہ اپنی خوراک پر غور کرے۔ہم نے اوپر سے پانی برسایا۔اور ہم نے بیج

کو طاقت دے کر زمین کو پھاڑ ڈالا، پھر ہم نے اس میں غلے کے دانے اور انگور اگائے اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجور اور گھنے گھنے باغ اور میوے اور چارہ تمہارے اور تمہارے جانوروں کے فائدے کے لئے۔

یہی مضمون سورۂ یاسین میں یوں بیان ہوا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَآيَةٌ لَّهُمُ الْأَرْضُ الْمَيْتَةُ أَحْيَيْنَاهَا وَأَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ يَأْكُلُونَ ٥ وَجَعَلْنَا فِيهَا جَنَّاتٍ مِّن نَّخِيلٍ وَأَعْنَابٍ وَفَجَّرْنَا فِيهَا مِنَ الْعُيُونِ ٥ لِيَأْكُلُوا مِن ثَمَرِهِ وَمَا عَمِلَتْهُ أَيْدِيهِمْ أَفَلَا يَشْكُرُونَ ٥ (٦٧)

اور ان کے لئے مردہ زمین میں بھی نشانی ہے، جس کو ہم نے پانی برسا کر زندہ کر دیا اور اس میں سے اناج نکالا۔ لوگ اسی میں سے کھاتے ہیں اور زمین میں ہم ہی نے کھجور اور انگور کے باغ لگائے اور اس میں پانی کے چشمے بہائے۔ اس لئے کہ یہ لوگ اس کا میوہ کھائیں جو انہوں نے اپنے ہاتھوں سے نہیں بنایا۔ کیا یہ لوگ اس کی قدر نہیں کرتے؟

سمندر کی ضخامت اور اس میں جہاز رانی کی صلاحیت، قدرت کے انسان پر گراں قدر انعامات ہیں۔ حق تعالیٰ نے اس کا تذکرہ بھی جمع متکلم کے صیغوں سے فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَآيَةٌ لَّهُمْ أَنَّا حَمَلْنَا ذُرِّيَّتَهُمْ فِي الْفُلْكِ الْمَشْحُونِ ٥ وَخَلَقْنَا لَهُم مِّن مِّثْلِهِ مَا يَرْكَبُونَ ٥ وَإِن نَّشَأْ نُغْرِقْهُمْ فَلَا صَرِيخَ لَهُمْ وَلَا هُمْ يُنقَذُونَ ٥ إِلَّا رَحْمَةً مِّنَّا وَمَتَاعًا إِلَىٰ حِينٍ ٥ (٦٨)

ان کے لئے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ ہم نے ان کی نسل کو بھری ہوئی کشتی میں سوار کر دیا۔ اور پھر ان کے لئے ویسی ہی کشتیاں اور پیدا کیں جن پر یہ سوار ہوتے ہیں۔ ہم چاہیں تو ان کو غرق کر دیں۔ کوئی ان کی فریاد سننے والا نہ ہو اور کسی طرح یہ نہ بچائے جاسکیں۔ بس ہماری رحمت ہی ہے جو انہیں پار لگاتی اور ایک وقت خاص تک زندگی سے متمتع ہونے کا موقع دیتی ہے۔

اسی طرح لوہے اور فولاد کی تخلیق اور اس کی افادیت کا تذکرہ فرمایا گیا تو اس کے لئے جمع متکلم کا صیغہ منتخب فرمایا گیا۔ ارشاد گرامی ہے:

وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ (٦٩)

اور ہم ہی نے لوہا پیدا کیا۔ اس میں زبردست قوت ہے۔ اس سے آلات جنگ تیار ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ لوگوں کو اس سے بہت فائدے ہیں۔

اسی طرح گزری ہوئی نافرمان قوموں کی تباہی و بربادی کی دل دوز داستان کا تذکرہ قرآن میں جہاں بھی بیان ہوا ہے۔ جمع متکلم کے صیغے میں ہی ہوا ہے۔ جیسا کہ یہ ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

فَكَأَيِّن مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا وَهِيَ ظَالِمَةٌ فَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا وَبِئْرٍ مُّعَطَّلَةٍ وَقَصْرٍ مَّشِيدٍo (۷۰)

اور بہت سی بستیاں جو نافرمان تھیں، ہم نے ان کو تباہ کر دیا۔ اب وہ اپنی چھتوں پر گری پڑی ہیں اور بہت سے کنویں جو بے کار پڑے ہیں، اور بہت سے عالی شان محل خالی پڑے ہیں۔

دوسری جگہ ہے۔ فرمایا:

وَكَمْ أَهْلَكْنَا قَبْلَهُم مِّن قَرْنٍ هُمْ أَحْسَنُ أَثَاثاً وَرِئْياًo (۷۱)

اور ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو تباہ کر ڈالا جو ان سے اچھا سامان اور ان سے اچھی نمود رکھتے تھے۔

اور ان تباہ شدہ بستیوں اور قوموں کے بارے میں فرمایا:

وَحَرَامٌ عَلَى قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا أَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُونَ (۷۲)

اور جن بستیوں اور ان کے مکینوں کو تباہ کیا، ان کا پھر دنیا میں آنا حرام اور ناممکن بنا دیا۔

بستیوں کی تباہی کا حال یوں بیان فرمایا۔

فَلَمَّا جَاء أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍo مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍo (۷۳)

سو جب ہمارا حکم آن پہنچا ہم نے اس زمین کے بلند کو پست بنا دیا۔ یعنی سب کچھ تلپٹ کر دیا اور ہم نے اس پر کھنگر یا لے پتھر برسا دیئے جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ ہے۔ اور وہ تباہ شدہ مقام موجودہ ظالموں سے دور نہیں ''وہ اس کا مشاہدہ کر سکتے ہیں''۔

جعلنا ''ہم نے بنا دیا'' اور ''امطرنا'' ''ہم نے برسائے'' جمع متکلم کے صیغے ہیں۔ جن سے ایک شان اور جلالت ہویدا ہے۔ پتھروں کی بارش اور ملیامیٹ کر دینے اور تلپٹ پلٹ کر دینے کا عمل معمولی عمل نہیں۔ اس لئے اس کی تعبیر جعلنا اور امطرنا کے پر شکوہ کلمات سے فرمائی گئی۔

اسی طرح قوم فرعون اور قوم نوحؑ کی بربادی اور غرقابی کا تذکرہ ''دمرنا'' اور ''اغرقنا'' کے جامع کلمات سے فرمایا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيراًo فَقُلْنَا اذْهَبَا إِلَى

الْقَوْمِ الَّذِيْنَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَدَمَّرْنَاهُمْ تَدْمِيْراً o (۷۴)

اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور ان کے بھائی ہارون کو ان کا معاون بنایا اور ان سے کہا اس قوم کی طرف جاؤ جو ہماری آیتوں کو جھٹلانے والی ہے۔ تو ہم نے انہیں تباہ و برباد کر دیا۔

پھر قوم نوح کی غرقابی کے بارے میں ارشاد فرمایا۔

وَقَوْمَ نُوحٍ لَّمَّا كَذَّبُوا الرُّسُلَ أَغْرَقْنَاهُمْ وَجَعَلْنَاهُمْ لِلنَّاسِ آيَةً وَأَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِيْنَ عَذَاباً أَلِيْماًo (۷۵)

اور قوم نوح علیہ اسلام نے جب ہمارے رسولوں کو جھٹلایا تو ہم نے انہیں ڈبو دیا اور انہیں آنے والے لوگوں کے لئے نشان عبرت بنا دیا۔ اور ظالموں کے لئے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے:

حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے بعد نافرمان قوموں کی تباہی کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا گیا:

وَإِذَا أَرَدْنَا أَن نُّهْلِكَ قَرْيَةً أَمَرْنَا مُتْرَفِيْهَا فَفَسَقُواْ فِيْهَا فَحَقَّ عَلَيْهَا الْقَوْلُ فَدَمَّرْنَاهَا تَدْمِيْراً O وَكَمْ أَهْلَكْنَا مِنَ الْقُرُونِ مِن بَعْدِ نُوحٍ وَكَفَى بِرَبِّكَ بِذُنُوبِ عِبَادِهِ خَبِيْراً بَصِيْراًO (۷۶)

اور جب ہم کسی بستی کو ہلاک کرنے کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اس بستی کے خوش حال لوگوں کو حکم دیتے ہیں پھر وہ لوگ وہاں شرارت مچاتے ہیں۔ تو ان پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔ تو اس بستی کو تباہ کر ڈالتے ہیں۔ اور ہم نے کتنی بستیوں کو اس طرح سے ہلاک کیا ہے۔ اور تیرا رب اپنے بندوں کے گناہوں سے خوب آگاہ ہے۔

ان تمام نظائر و امثلہ کا ماحصل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہاں جہاں بھی جمع متکلم کا صیغہ لایا گیا ہے وہاں کام میں عظمت اور جلالت ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے۔ بالکل وہی مقصود ''ورفعالك ذكرك'' میں ہے۔ عظمت ذکر کے پیش نظر صیغہ ''رفعنا'' لایا گیا ہے۔ جس سے شان فعل غایت تک پہنچ گیا ہے کیوں کہ اس سے بڑھ کر اظہار عظمت کے لئے اور کوئی انداز بیان نہیں ہو سکتا۔

الذِکر

ذکر ایک جامع اور کثیر المعنی لفظ ہے۔ بالعموم بھولی ہوئی چیز کو یاد کرنے یا یاد کی ہوئی چیز کو زبان و ذہن پر تازہ کرنے کو کہتے ہیں۔ ''نسیان'' کی ضد کے طور پر استعمال ہوتا ہے اور تقریباً ''حفظ'' کے ہم معنی

ہے۔جیسا کہ امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ ذکر کی توضیح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الذکرُ تارةً یقال و یرادبه هیئة وهو کالحفظ الا ان الحفظ یقال اعتباراً باحرازه والذکر یقال اعتباراً با استحضاره و تارة یقال لحضور الشئ القلب او القول ولذالك قیل الذکر ذکر ان ذکر بالقلب و ذکر باللسان و کل واحد منهما ضربان ذکر عن نسیان و ذکر لا عن نسیان بل عن ادامة الحفظ (۷۷)

الذکر یہ کبھی تو اس ہیئت نفسانیہ پر بولا جاتا ہے جس کے ذریعے سے انسان اپنے علم کو محفوظ رکھتا ہے۔یہ تقریباً حفظ کے ہم معنی ہے مگر فرق یہ ہے کہ ''حفظ'' کا لفظ احراز کے لحاظ سے بولا جاتا ہے اور ذکر کا لفظ استحضار کے لحاظ سے۔اور کبھی ذکر کا لفظ دل اور زبان پر کسی چیز کے حاضر ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔اسی لئے بعض نے کہا ہے کہ ذکر کی دو قسمیں ہیں۔ذکر قلبی اور ذکر لسانی۔پھر ان میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں۔ایک بھولی ہوئی چیز کو یاد کرنا ہے اور دوسرا یاد کی ہوئی چیز کو ہمیشہ یاد رکھنا ہے۔

ذکر مصدر ہے۔لغتِ عربی میں کئی معنوں میں متداول ہے۔زیادہ تر نام وری اور شہرت کے معنوں میں آتا ہے، جیسے کہتے ہیں لهٗ ذکرٌ فی الناس کی لوگوں میں بڑی شہرت ہے۔شہرت اچھی اور بری دونوں طرح کی ہوسکتی ہے۔مگر ذکر اس شہرت کو کہتے ہیں جو اچھی ہو اور خوبیوں کی حامل ہو۔عربی میں ''الذکر'' کے معنی ''الصیت'' سے کرتے ہیں اور صیت کہتے ہی نیک نامی اور یاد حسین کو ہیں۔

اس کے علاوہ ''ذکر'' مدح وثنا اور علو مرتب، شرف اور مجد کو کہتے ہیں۔مجازاً ذکر پختہ اور مضبوط بات پر بولا جاتا ہے۔مضبوط اور قوی آدمی کو بھی ذکر کہتے ہیں۔بارش اگر زور کی برس رہی ہو تو اسے بھی ذکر کا نام دے دیا جاتا ہے۔قرآن مجید میں نماز اور دعا کو بھی ذکر کہا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام کو ذکر کے نام سے پکارا ہے۔تورات وانجیل اور دیگر کتب سماویہ کو بھی ذکر کا نام دیا گیا ہے۔اسی لئے قرآن مجید میں ''اہل کتاب'' کو ''اہل ذکر'' کہا گیا ہے۔مرنے والوں کو یاد کرنا اور ان کے محاسن ومناقب کا تذکرہ کرنا ''ذکر المیت'' کہلاتا ہے۔یادگیری کبھی تو زبان سے ہوتی ہے کہ کسی کا زبان پر ذکر آئے اور کبھی زبان پر تو نہیں صرف دل میں اسے یاد کیا جاتا ہے۔پہلی طرح کی یادگیری ''ذکرِ لسانی'' ہے۔جب کہ دوسری کو ''ذکر قلبی'' کا نام دیا جاتا ہے۔ذکر کی ایک تیسری صورت بھی ہے جسے ذکر عملی کا نام دیا جاتا ہے۔وہ یہ ہے کہ انسان اپنے عمل سے یہ ثابت کرے کہ وہ مذکور کو بھولا نہیں ہے۔

ذکر الٰہی میں یہ تینوں چیزیں درکار ہوتی ہیں۔بندہ پر لازم ہے کہ وہ اپنے مالک کے محاسن کو زبان

لائے اور دل میں انہیں مستحضر رکھے۔ کبھی دل اس سے غافل نہ ہو اور اس کا ہر عمل اللہ کی رضا جوئی اور اس کی خوشنودی کے حصول کے لئے ہو۔ اس لئے قرآن مجید میں نماز کو بھی ذکر کہا گیا ہے۔ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ لِذِکرِی ''میرے ذکر کے لئے نماز پڑھ''

ذکر قلبی اور ذکر لسانی کے بارے میں یوں ذکر فرمایا:

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَذِکْرِکُمْ آبَاءَ کُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِکْراً o(۷۸)

سو خدا کو یاد کرو جس طرح اپنے باپ دادا کو یاد کیا کرتے تھے بل کہ اس سے بھی زیادہ۔

فَاذْکُرُوا اللّٰہَ عِندَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْکُرُوہُ کَمَا ھَدَاکُمْ (۷۹)

سو مشعر حرام یعنی مزدلفہ میں بھی خدا کا ذکر کرو اور اس طرح ذکر کرو جس طرح اس نے تم کو سکھا۔

یہ دونوں ذکر قلبی اور لسانی کی مثالیں ہیں۔ ذکر عملی کا مفہوم بھی اس میں آ جاتا ہے۔ یہ تو تھا ذکر کی اقسام کا تذکرہ۔ اب اس کے مختلف معانی پر نظر ڈالتے ہیں۔

الذکر۔ بہ معنی تذکرہ: جو کچھ زبان پہ آ گیا وہ تذکرہ ہے۔ یعنی ہر وہ بات جو نوک زبان ہو گئی وہ تذکرہ بن گئی۔ اس کے علاوہ ہر وہ چیز مذکور ہے جو ہر بھولی ہوئی بات کو یاد کرا دے۔ اس لئے قرآن مجید کو ذکر کہا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ اَنْزَلْنَا اِلَیْکُمْ کِتَابًا فِیہِ ذِکْرُکُمْ (۸۰)

ہم نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے۔

امام راغب اصفہانیؒ ارشاد فرماتے ہیں۔

وکل قولٍ یُقَالُ لہ ذِکرٌ فمن الذکر باللسان قولہ تعالیٰ لقد انزلنا الیکم کتاباً فیہ ذکرکم و قولہ تعالیٰ وھذا ذکرٌ مبارکٌ انزلناہ وقولہ ھذا ذکر من معنی و ذکر من قلبی (۸۱)

ہر بات جو کہی جائے وہ ذکر ہے۔ اسی کو ذکر لسانی کا نام دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات میں ذکر سے تذکرہ ہی مراد ہے۔

قولہ تعالیٰ وھذا ذکر مبارک انزلناہ (۸۲)

ھذا ذکر من معیَ و ذکر من قلبی (۸۳)

علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی تائید کی ہے۔ فرماتے ہیں۔

الذکر جری الشیٔ علی لسانك. الحفظ للشیٔ تذکرہ الشیٔ یجری علی اللسان (۸۴)

آپ کی زبان پر کسی چیز کا آنا ذکر ہے۔ کسی چیز کا زبان پر لانا یا زبان پر کسی بات کا آجانا ذکر ہے

علامہ مجد الدین فیروز بادی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کے یہ معنی بتائے ہیں۔ لکھتے ہیں:

الذکر بالکسر الحفظ للشیٔ کالتذکار و الشیٔ یجزی علی اللسان (۸۵)

زیر کے ساتھ ذِکر کسی چیز کو یاد کرنے اور زبان پر لانے کے ہیں۔ جیسے تذکار ہے۔

دوسرے لفظوں میں ہر وہ بات جو زبان پر جاری ہو جائے وہ ذکر کہلاتی ہے۔

الذکر۔ بہ معنی کتاب: ذکر نوشتہ اور کتاب کو بھی کہتے ہیں۔ خاص طور پر آسمانی صحیفوں اور الہامی کتابوں کو الذکر کا نام دیا جاتا ہے۔ قرآن مجید مین اس کی کئی مثالیں ملتی ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَهَذَا ذِكْرٌ مُبَارَكٌ أَنزَلْنَاهُ أَفَأَنتُمْ لَهُ مُنكِرُونَ o (۸٦)

اور یہ مبارک ذکر ہے۔ جسے ہم نے اتارا ہے۔ کیا تم اسے نہیں مانو گے۔

یہاں ذکر سے مراد اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب قرآن حکیم ہے۔ نیز ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ o (۸۷)

یقیناً ہم ہی نے ذکر کو اتارا اور یقیناً ہم ہی نے اس کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے۔

اسی طرح دوسری الہامی کتابوں کو بھی ذکر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ إِلاَّ رِجَالاً نُوحِيَ إِلَيْهِمْ فَاسْأَلُواْ أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لاَ تَعْلَمُونَ o (۸۸)

ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے وہ سب مرد اور انسان ہی تھے جن کی طرف ہم نے وحی بھیجی۔ تمہیں اگر اس بارے میں علم نہیں تو اہل ذکر سے پوچھ لو۔

اہل الذکر سے مراد یقیناً اہل کتاب ہیں۔ کتاب سابقہ کتاب ساویہ کو کہتے ہیں جو قرآن حکیم سے پہلے نازل ہوئیں۔ الہامی کتابوں میں صرف تورات کو بھی ذکر کہا گیا ہے۔ ارشاد گرامی ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ (۸۹)

اور ہم نے ذکر یعنی تورات کے بعد زبور میں یہ لکھ دیا تھا۔

علامہ مرتضیٰ زبیدی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اس کی توضیح میں ارشاد فرمایا ہے۔

الذکر (الکتاب) الذی فیہ تفصیل الدین وضع الملل و کل کتاب من

الانبیاء ذکرٌ و منه قوله تعالیٰ، انانحن نزلنا الذکر وانااله لحافظون قال شیخنا و حمل علی خصوص القرآن وحده ایضاً (۹۰)

ذکر کتاب کو کہتے ہیں۔ وہ کتاب جس میں دین کی شرح اور قوموں کا حال ہو۔ اس طرح سے ہر کتاب جو کسی پیغمبر پر نازل ہوئی، وہ ذکر ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ انا نحن نزلنا الذکر وانااله لحافظون ہمارے شیخ نے کہا ہے کہ یہ صرف قرآن حکیم کے لئے ہے۔

الذکر بہ معنی نصیحت: ذکر پند وموعظت کے معنوں میں بھی متداول ہے۔ الہامی کتابوں کو بھی اس لئے ذکر کہا گیا ہے کہ ان میں انسانوں کے لئے نصیحت کا سامان ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اتاری ہوئی کتاب کو ذکر یعنی سامان پند وموعظت بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاء وَذِكْراً لِّلْمُتَّقِينَo (۹۱)

اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام کو فرقان عطا کیا اور روشنی اور پرہیزگاروں کے لئے سامان نصیحت دیا۔

قرآن مجید کو بھی نصیحت کی کتاب بتایا گیا۔ فرمایا:

ص وَالْقُرْآنِ ذِي الذِّكْرِ O بَلِ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي عِزَّةٍ وَشِقَاقٍO (۹۲)

ص۔ قسم ہے قرآن، نصیحت والے کی کہ کافر تعصب اور ہٹ دھرمی کا شکار ہیں۔

دوسری جگہ قرآن کو ذکر یعنی کتاب نصیحت کہا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

أَأُنزِلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ مِن بَيْنِنَا بَلْ هُمْ فِي شَكٍّ مِّن ذِكْرِي (۹۳)

کیا ہم سب میں سے وہی ایک رہ گیا تھا جس پر ذکر یعنی نصیحت کی کتاب اتاری گئی۔ اصل بات یہ ہے کہ انہیں میرے ذکر کے بارے میں شک ہے۔

علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ ذکر بہ معنی نصیحت کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

الذکریکون الذکری ویکون به معنی التذکر قوله تعالیٰ: وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ. (۹۴)

ذکر ذکری کے معنوں میں آیا ہے۔ یعنی نصیحت حاصل کرنا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے۔ وَذَكِّر فَإِنَّ الذکری تنفع المومنین یعنی انہیں نصیحت کیجئے۔ یقیناً نصیحت اہل ایمان کو فائدہ دیتی ہے۔

امام راغب اصفہانی رحمۃ اللہ علیہ ذرا ان سے مختلف رائے رکھتے ہیں۔ فرماتے ہیں:

الذکری کثرۃ الذکر وھوا بلغ من الذکر قال اللہ تعالیٰ ورحمۃ منا وذکری لاولی الالباب (۹۵)

ذکریٰ دراصل کثرت ذکر کا نام ہے اور وہ ذکر سے زیادہ بلیغ ہے۔ جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ رحمۃ مناو ذکری لاولی الالباب یعنی یہ ہماری طرف سے رحمت ہے اور اہل عقل کے لئے نصیحت ہے۔

الذکر بہ معنی یادگیری: بھولی ہوئی چیز کو یاد کرنا یا یاد کی ہوئی چیز کو زبان اور ذہن میں حاضر رکھنا، ذکر کہلاتا ہے۔ اکثر نسیان کی ضد کے طور پر آتا ہے۔ اور کبھی نہیں بھی آتا۔ جیسے امام راغب فرماتے ہیں:

الذکرُ الحفظ للشیٔ عن نسیان ولا عن نسیان بل عن ادامۃ الحفظ (۹۶)

ذکر کسی بھولی ہوئی چیز کو یاد کرنا ہے یا ویسے کسی چیز کو ہمیشہ یاد رکھنا ہے کہ وہ بھولنے نہ پائے

قرآن مجید میں نسیان کے بعد ذکر کی مثال یہ ہے۔ ارشاد فرمایا:

فَإِنِّیْ نَسِیْتُ الْحُوتَ وَمَا أَنسَانِیْهُ إِلَّا الشَّیْطَانُ أَنْ أَذْکُرَهُ (۹۷)

تو میں مچھلی وہیں بھول گیا اور مجھے آپ سے اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا۔

اللہ کو یاد کرنے کا قرآن مجید میں حکم کثرت سے آیا ہے۔ وہ بھی انہی معنوں میں ہے۔ اہل ایمان کو حکم ہوتا ہے:

فَاذْکُرُونِیْ أَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوا لِیْ وَلَا تَکْفُرُونِ ۝ (۹۸)

پس تم مجھے یاد کرو۔ میں تمہیں یاد کروں گا اور میرا شکر بجالاؤ ناشکری نہ کرو۔

اسی طرح کا حکم بنی اسرائیل کو بھی ملا:

یَا بَنِیْ إِسْرَائِیْلَ اذْکُرُوا نِعْمَتِیَ الَّتِیْ أَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ (۹۹)

اے بنی اسرائیل میرے احسانات کو یاد کرو جو میں نے تم پر کیے

مذکورہ بالا دونوں آیتوں کے احکام کی حکمت بیان کرتے ہوئے امام راغب رحمۃ اللہ فرماتے ہیں۔

الفرق بین قولہ فاذکرونی اذکرکم وبین قولہ اذکرو نعمتی ...... ان قولہ اذکرونی مخاطبۃ الاصحاب النبی ﷺ الذین حصل لھم فضل قوۃ بمعرفتہ تعالیٰ فامرھم بان یذکروہ بغیر واسطۃ. وقولہ تعالیٰ اذکروا نعمتی مخاطبۃ لبنی اسرائیل الذین لم یعرفوا اللہ الا بآلائہ فامرھم ان یتبصروا نعمتہ فیتو صلو بھا الی معرفتہ (۱۰۰)

آیت فاذکرولی اذکرکم اور آیت اذکروا أنعمتی۔ میں فرق یہ ہے کہ پہلی آیت کے مخاطب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب ہیں، جنہیں معرفت الٰہی میں فوقیت حاصل تھی۔ اس لئے انہیں بہ راہ راست اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے کا حکم دیا گیا۔ جب کہ دوسری آیت کے مخاطب بنی اسرائیل ہیں۔ جو اللہ تعالیٰ کو اس کے انعامات کے ذریعہ سے پہچانتے تھے۔ اس بنا پر انہیں حکم ہوا کہ انعامات الٰہی پر غور کریں تا کہ انہیں معرفت الٰہی حاصل ہو جائے۔ اور یاد الٰہی سے مشرف ہو جائیں۔

اسی طرح ذکر اکبر کے بارے میں لکھتے ہیں:

قوله تعالیٰ ولذکر الله اکبر ای ذکر الله لعبده اکبر من ذکر العبد له وذالك حث علی الاکثار (۱۰۱)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پاک ولذکر الله اکبر (۱۰۲) یعنی خدا کا ذکر ہی سب سے بڑا ہے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ایسے بندے کو یاد کرنا بندے کے اللہ تعالیٰ کو یاد کرنے سے بڑھ کر ہے۔ گویا اس میں کثرت ذکر الٰہی کی ترغیب پائی جاتی ہے۔

ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ اس آیت کریمہ کی توضیح یوں بیان کرتے ہیں:

ولذِکرالله اکبر فیه وجهان احدهما ان ذکر الله تعالیٰ اذا ذکره العبد خیر للعبد من ذکر العبد للعبد والوجه الآخر ان ذکر الله ینهی عن الفحشاء و المکنر اکثر ما تحفی الصلوة (۱۰۳)

آیت کریمہ ولذکر الله اکبر میں دو توجیہات ہیں۔ ایک توجیہ یہ ہے کہ اللہ کا اپنے بندے کو یاد کرنا، اس یاد کرنے سے بہتر ہے کہ بندہ اللہ کو یاد کرے۔ دوسری توجیہ یہ ہے کہ اللہ کا ذکر بے حیائی اور برائی سے روکتا ہے۔ اس سے کہیں زیادہ جتنی نماز ان سے روکتی ہے۔

مزید لکھتے ہیں:

الذکر الصَّلوۃُ للهِ والدُّعاءُ الیه و الثناء علیه (۱۰۴)

ذکر، اللہ کے لئے نماز پڑھنا، اس کو پکارنا اور اس کی حمد وثنا کرنے کا نام ہے۔

اس آیت میں جس ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔ اس میں ذکر الٰہی کی تمام صورتیں شامل ہیں۔

یَا اَیُّھَا الَّذِینَ آمَنُوا اذْکُرُوا اللَّهَ ذِکْراً کَثِیْراً O وَسَبِّحُوهُ بُکْرَةً وَاَصِیْلاً (۱۰۵)

ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو اور صبح وشام اس کی پاکی بیان کرو۔

الذکر بہ معنی رسول اکرم ﷺ: قرآن کے ذکر ہونے کا تذکرہ تو کئی آیتوں میں آیا ہے۔ لیکن ایک آیت ایسی ہے جس میں رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر مجسم فرما دیا گیا ہے۔ یہ ایک بہت بڑا اشرف ہے۔ جو آپ کو ذاتِ حق کی طرف سے عطا ہوا۔ ارشاد گرامی ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ يَا اُولِى الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ آمَنُوا قَدْ اَنزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْراً O رَسُولاً يَتْلُو عَلَيْكُمْ آيَاتِ اللّٰهِ مُبَيِّنَاتٍ لِّيُخْرِجَ الَّذِيْنَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ مِنَ الظُّلُمَاتِ اِلَى النُّورِ o(۱۰۶)

اللہ سے ڈرو۔ عقل والو جو ایمان لائے ہو رسول ذکر پر جو اللہ نے تم پر اتارا ہے جو تمہیں اللہ کی کھلی آیات پڑھ کر سناتا ہے' تاکہ وہ ان ایمان والوں کو جو نیک عمل بھی کرتے ہیں، اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لے آئے۔

امام راغب اصفہانیؒ اس آیت کریمہ کے ضمن میں لکھتے ہیں۔

وقوله تعالیٰ قد انزل الله اليكم ذكراً رسولاً فقد قيل الذكر ههنا وصف اللنبى صلى الله عليه وسلم كما ان الكلمة و صف لعيسى عليه السلام من حيث انه بشربه فى الكتب المتعدمة فيكون قوله سولاً بدلاً منه و قيل رسولاً منتصب بقوله ذكراً كانه قال قد انزلنا اليكم كتاباً ذكراً رسولاً يتلوا نحو قوله او اطعام فى يوم ذى مسغبة يتيماً فيتماً نصب بقوله اطعام (۱۰۷)

آیت کریمہ میں ذکر آں حضرت ﷺ کا وصف ہے جیسے عیسیٰ علیہ السلام کا وصف ''کلمۃ'' بیان ہوا ہے اور آں حضرت ﷺ کو ''الذکر'' اس لحاظ سے کہا گیا ہے کہ کتب سابقہ میں آپ کے متعلق خوش خبری پائی جاتی تھی۔ اس قول کی بنا پر رسولاً ذکراً سے بدل واقع ہوگا۔ (بعض کے نزدیک رسولاً پر نصب ذکراً کی وجہ سے ہے گویا آیت یوں ہے۔ قد انزلنا اليكم كتاباً ذكر رسولاً يتلو جیسا کہ آیت کریمہ او اطعام فى يوم ذى مسغبة يتيماً (۱۰۸) میں یتیماً انعام کی وجہ سے منصوب ہے۔

رسولاً یہاں ذکراً سے بدل ہے۔ اور اس کا بدل ہونا اس بات کی ذلیل ہے کہ رسول اور ذکر میں روح اور قالب کا رشتہ ہے۔ قرآن مجید کے لئے جس طرح ذکر آیا ہے اسی طرح آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ''مذکر'' آیا ہے۔ آیت کریمہ ہے۔

اِنَّمَا اَنْتَ مُذَكِّرٌ O لَّسْتَ عَلَيْهِم بِمُصَيْطِرٍ (۱۰۹)

یقیناً آپ صاحب ذکر ہیں۔ان پر روغے مقرر نہیں کئے گئے ہیں۔

صاحبِ ذکر (ذکر) کے بعد اب آپ کو ''ذکر'' کا لقب عطا فرما دیا گیا ہے۔اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔ آپ جس طرح سے رحمتِ مجسم تھے۔اسی طرح آپ ذکر مجسم بھی ہیں۔آپ کی پوری زندگی سراپا ذکر تھی۔ جن حقائق کی یاددہانی کے لئے قرآن یعنی ذکر نازل ہوا۔آپ ان حقائق کی عملی تصویر تھے۔دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہہ سکتے ہیں کہ قرآن نے جو کچھ بتایا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ سب کچھ کرکے دکھادیا۔جس سے لوگوں پر اللہ کی حجت تمام ہوگئی کہ اس میں کسی پہلو سے کوئی کسر نہ رہی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل کے بارے میں جب ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا تو انہوں نے سائل سے فرمایا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔مطلب یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن ناطق ہیں۔قرآن کی عملی تصویر ہیں۔قرآن میں جن اخلاقیات کا تذکرہ فرمایا گیا ہے آپ نے اس پر عمل کرکے دکھایا۔یوں آپ کے اخلاق وشمائل قرآن کے ترجمان بن گئے۔ اور آپ قرآن مجسم ہیں یہ ایک بہت بڑا شرف ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوا۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو صاحب ذکر بنایا۔

ذکر بہ معنی شرف: بہ معنی: ذکر کے ایک معنی شرف کے بھی ہیں۔شرف، مجد، بزرگی، برتری اور علومرتبت کو کہتے ہیں۔علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ الذکر کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

الذکر انی الشرف فی قولہ تعالیٰ "صٓ و القرآن ذی الذکر" ای القرآن ذی الشرف و فی صفۃ القران "الذکرالحکیم" ای الشرف المحکم العاری من الاختلافِ وفی التنزیل و انہ لذکر لك و لقومك ای القرآن شرف لك ولھم و قولہ تعالیٰ ورفعنالك ذکرك ای ورفعنالك شرفك (۱۱۰)

الذکر یعنی شرف اور بزرگی۔جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشادگرامی میں ہے۔ص و القرآن ذی الذکر یعنی قرآن شرف والا ہے اور قرآن کی صفت میں آیا ہے الذکر الحکیم یعنی اسے یہ شرف حاصل ہے کہ اس کی ہر بات پختہ ہے۔اختلافات اور تضادات سے پاک ہے۔اسی طرح قرآن پاک کے بارے میں ہے وانہ لذکر لك و لقومك قرآن آپ کے لئے اور آپ کی قوم کے لئے شرف ہے۔اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں بھی ذکر شرف کے معنوں میں ہے۔فرمایا۔ورفعنا لك ذکر الی ورفعناك شرفك یعنی ہم نے آپ کی خاطر آپ کی قدر ومنزلت کو بڑھا دیا۔

علامہ مرتضٰی زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ذکر کے معنی شرف بتائے ہیں:

الذکر (الشرف) وبه فسر قوله تعالیٰ وانه لذکر لك ولقومك ای القرآن شرف لك ولهم وفی قوله تعالیٰ ورفعنالك ذکرك ای ورفعنا لك شرفك (۱۱۱)

ذکر کے معنی شرف کے بھی ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پاک کی تفسیر میں ذکر کے معنی شرف کے کئے جاتے ہیں۔ وانه لذکرلك ولقومك القرآن شرف لک ولقومک یعنی قرآن تیرے اور تیری قوم کے لئے شرف ہے۔ یہی مطلب ورفعنالك ذکرك کا ہے کہ ہم نے آپ کے لئے آپ کے شرف کو بلند کر دیا۔ آپ کی قدر ومنزلت کو دوبالا کر دیا۔

الذکر۔ بہ معنی نام وری: ذکر کے ایک معنی نام وری اور شہرت کے بھی ہیں۔ شہرت اچھی بھی ہوسکتی ہے اور بری بھی لیکن قرآن مجید میں جہاں ذکر شہرت کے معنوں میں آیا ہے وہاں اچھی اور خوبیوں سے متصف شہرت مراد ہے۔ جیسا کہ علامہ ابن منظور رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

الذکر الصیتُ و الثناء قال ابن السیدة الذکر الصیتُ یکون فی الخیر و الشروحکی ایو زید ان فلاناً لو جل لوکان له ذکر ورجل ذکر. ذوذکر. جید الذکرو الحفظ وفی قوله تعالیٰ "ورفعنالك ذکرك" معناه اذا ذکرتُ ذکرت معنی (۱۱۲)

الذکر ناموری اور مدح وستائش کو کہتے ہیں۔ ابن سیدہ کہتے ہیں ذکر کے معنی شہرت کے ہیں جو اچھی بھی ہوسکتی ہے اور بُری بھی۔ ابو زید کہتے ہیں کہ کسی آدمی کی اگر شہرت زیادہ ہوجائے تو اسے ''ذکر'' کہتے ہیں۔ یعنی ذکر والا۔ شہرت رکھنے والا۔ شہرت بھی اچھی رکھنے والا جسے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد گرامی میں ہے۔ ورفعنالك ذکرك یعنی ہم نے آپ کے لئے آپ کی شہرت کو بلندی پر پہنچا دیا۔ اس طرح کہ جب میں (پروردگار) کا جہاں ذکر ہوگا وہاں آپ کا بھی ساتھ ہوگا۔

علامہ مرتضٰی زبیدی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی معنی لکھے ہیں۔ (۱۱۳)

ذکر اور شرف نبوت

یہ ایک حقیقت ہے جو قرآن کے بیان سے عیاں ہے کہ ذاتِ حق نے اپنے پیارے نبی کو اپنے ذکر سے شرف بخشا اور شرف کے اعلیٰ وارفع مرتبہ پر فائز فرمایا۔ ذکر کے جو بھی معنی لئے جائیں ہر ایک سے

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرف عیاں ہوتا ہے۔

ذکر کے سب سے بڑے معنی ذکر الٰہی کے ہیں۔ ولذکرُ الله اکبر اللہ کے ذکر کے عظیم اور برتر ہونے میں شک نہیں، لیکن وہ بھی آپ ﷺ کے ذکر سے وابستہ ہے۔ افضل الذکر لا اله الا الله ہے۔ مگر تکمیل ایمان کے لئے محمد رسول اللہ لازم ہے۔

ذکر کے دوسرے بڑے اور اہم معنی قرآن کے ہیں۔ قرآن ذی شان کا بیان آپ کے ذکر کے بغیر نامکمل ہے۔ آپ قرآن کے لئے اور قرآن آپ کے لئے شرف ہے۔ قرآن ذکر ہے تو آپ مذکر ہیں۔ قرآن کلام اللہ ہے۔ آپ کلیم اللہ ہیں۔ یعنی قرآن ناطق آپ صاحبِ قرآن ہیں اور قرآن کے ترجمان ہیں اور آپ کی زندگی مبارک کا ایک ایک لمحہ اس کی عملی تصویر ہے۔

ذکر کے تیسرے معنی کتب سماویہ ہیں۔ جو آپ کے ذکر سے مشرف ہیں۔ تورات، تورات نہیں اگر اس میں آپ کا ذکر نہیں۔ انجیل، انجیل نہیں اگر وہ آپ کے ذکر سے عاری ہے۔ اس لئے وہ بھی آپ کے ذکر کی ترجمان ہیں۔ انبیائے سلف آپ کے ذکر سے رطب اللسان ہیں۔ دعائے ابراہیمؑ اور نوید مسیحاؑ سب آپ ہی کے ذکر کے حسین نام ہیں۔

آپ کی ذات گرامی بہ جائے خود ایک ذکر ہے۔ آپ کی نبوت ذکر ہے۔ آپ کا پیغام ذکر ہے۔ حتیٰ کہ آپ کے نام گرامی ذکر ہے۔ قرآن مجید میں محمد اور احمد کے پاکیزہ نام موجود ہیں۔ اور قرآن کے ذکر ہونے کا کوئی انکار نہیں کرسکتا۔ اس لئے ذکر آپ سے اور آپ ذکر سے جدا نہیں۔ یعنی آپ کے ذکر کی رفعت ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ذکر بلند ہوگا کہ قرآن آپ کے ذکر کا ترجمان ہو اور اللہ کا یہ فرمان ہو۔ ورفعنالك ذکرك "اور ہم نے آپ کی خاطر آپ کے ذکر کو رفعت بخشی"

لمعاتِ "لَكَ"

کلمۂ "لک" "آپ ہی کے لئے، آپ ہی کی خاطر" جو قرآن مجید کی متعدد آیات میں وارد ہوا ہے، ایک شانِ امتیاز کا حامل ہے۔ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا وہ روشن اور تابندہ طرہ امتیاز ہے، جس کی لپٹیں پورے کلام اللہ پر محیط نظر آتی ہیں۔ ذات حق نے آپؐ پر جو خصوصی انعامات فرمائے، ان کے اظہار کے لئے "من" (احسان) کے کلمات کے بہ بجائے لفظ "لک" کا انتخاب فرمایا ہے۔ یہ آپ کا ایک شرف ہے۔ اختصاص کی علامت ہے۔ جس سے شانِ نبوت ہویدا ہے۔ یہ شرف و شان ہمارے اسلاف کی ژرف نگاہی سے اوجھل نہیں ہوا۔ امام جار اللہ زمخشری رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں:

فان قلت: ایُ فائدة فی زیاده لك و المعنی مستقل بدونه؟قلت: فی زیادة لك ما فی طریة الابهام والایضاح کانه قیل"الم نشرح لك" ففهم ان ثم میشروحاً ثم قیل، صدرك فاوضح ماعلم مبهماً وکذالك لك ذکرك و عنك وزرك(۱۱۴)

اگر آپ مجھ سے سوال کریں کہ کلام میں ''لک'' کا اضافہ کس لئے کیا گیا ہے۔ جب کہ اس کے بغیر مفہوم و مطلب مکمل تھا؟ میں جواب میں عرض کروں گا کہ ''لک'' کا اضافہ بے مقصد نہیں بلکہ یہ ابہام اور ایضاح کے اسلوب بیان کے لئے لایا گیا ہے۔ جیسے ''الم نشرح لک'' (کیا ہم نے آپ کے لئے کھول نہیں دیا؟) سنتے ہی یہ سوال ابھرا کہ کیا کھول دیا؟ جواب آیا آپ کا سینہ مبارک! بالکل یہی مضمون یہاں (لک ذکرک) میں ہے اور یہی بات آیت ووضعنا عنك وزرك میں ہے۔

دیگر مفسرین نے بھی کلمہ ''لک'' پر روشنی ڈالی ہے۔ تفسیر بیضاویؒ کے حاشیہ نگار محی الدین وشیخ زادہ رحمتہ اللہ علیہ اس کی توضیح بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ماالفائدة فی زیادة قوله تعالی لك؟فی قوله تعالی أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ وفی قوله تعالی وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ وفی قوله تعالی وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ مع ان المعنی یتم بدونهما و بعد زیاد تهما وای فائدة فی تقدیمهما علی مفعول عاملهما وتقریرا الجواب ان زیادتهما مقدمین علی المفعول تقید ابهام المشروح والموضوع والمرفوع ثم تبینه وتوضحه ومن المعلوم ان الایضاح بعد الابهام والتضیل بعدالاجمال اوقع فی الذهن وابلغ فی البیان وذالك یدل علی تعظیم المشروح والموضوع والمرفوع(۱۱۵)

''لك'' لانے کی حکمت

اللہ تعالیٰ کے ارشاد: الم نشرح لك صدرك اور ورفعنالك ذکرك میں لك ایک ہی مقصد کے لئے لایا گیا ہے۔ وہی مقصد جو ووضعنا عنك وزرك میں عنك لانے کا ہے۔ دونوں جگہوں پر وہ مفعول کے ذکر سے پہلے آیا ہے۔ اس سے ابہام وایضاح کا فائدہ ہوا ہے۔ پہلی آیت میں جس چیز کو کھولنے کا ذکر فرمایا گیا ہے، اسے سب سے آخر میں لایا گیا ہے۔ اسی طرح سے دوسری آیت

میں جس چیز کے اتارنے کی اطلاع دی گئی اس کا ذکر بعد میں کیا گیا ہے۔ اسی طرح تیسری آیت میں جس چیز کو بلند کرنے کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اسے آخر میں لایا گیا ہے۔ اس سے فائدہ ابہام اور ایضاح کا ہوا ہے۔ اگر ابہام کے بعد ایضاح اور اجمال کے بعد تفصیل بیان کی جائے تو اس سے کلام بلیغ ہو جاتا ہے۔ اور سننے والے کے ذہن میں بیٹھ جاتا ہے اور اس پیرایہ بیان سے مشروح (صدرک) موضوع (وزرک) اور مرفوع (ذکرک) کی عظمت عیاں ہوتی ہے۔

کلام اللہ کا ایک ایک کلمہ بلیغ پر معنی اور حکمتوں سے لبریز ہے۔ انداز بیان کا حسن اپنی جگہ ہے۔ أَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ میں لك نہ بھی ہوتا تو کلام پھر بھی بے معنی نہ ہوتا۔ اسی طرح ورفعنالك ذکرك میں لك کے بغیر بھی مفہوم پورا ہو جاتا۔ مگر لك لگانے سے جہاں کلام کا حسن بڑھا، وہاں مقصودِ کلام کو شرفت وعظمت بھی ملی یہ بات صرف یہاں نہیں، پورے کلام پاک میں جہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے لك آیا ہے ایک شان وشکوہ کے ساتھ آیا ہے۔ کہیں لک سے آپ کی تائید ونصرت کا اظہار ہوتا ہے تو کہیں قدرت کی طرف سے تقویت اور حوصلہ افزائی عیاں ہوتی ہے۔ کہیں دل جوئی اور دل داری جھلکتی نظر آتی ہے تو کہیں تقرب اور ربط خاص دکھائی دیتا ہے۔ غرض لک آپ کے شرف وشان کی ایک علامت ہے۔ ایک خوبصورت دل نشین انداز بیان ہے۔ ذاتِ حق نے جہاں آپ پر اپنی عنایت خاص کا اظہار فرمانا چاہا تو اس کے لیے لك کا انتخاب فرمایا۔ جیسے۔

شرح صدر کا شرف بخشا تو لک سے فتح مبین کا مژدہ سنایا تو لك سے اجر غیر ممنون کی خوش خبری دی تو لک سے رفع ذکر کی نوید سنائی تو لک سے خیر آخرت کی خوش خبری سنائی تو لک سے ہدیۂ حلت وحرمت عطا فرمایا تو لک سے قرآن ذی شان کی نعمت سے سرفراز فرمایا تو اس کا اظہار لک سے فرمایا۔ تہجد نافلہ کے انعام سے نوازا تو لک سے بخشش خیر کی نوید سنائی تو لک سے حلتِ زوجیت کی خصوصی اجازت مرحمت فرمائی تو لک سے فرمائی۔ نعمتِ غفران عطا فرمائی تو لک سے اس کا اعلان فرمایا۔

یہ وہی ذی شان لک ہے جب حضرت آدم علیہ السلام کو جنت کی نعمت سے نوازا گیا تو یوں ارشاد فرمایا:

إِنَّ لَكَ أَلَّا تَجُوعَ فِيهَا وَلَا تَعْرَىٰ O وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَضْحَىٰ (۱۱۶)

تمہارے ہی لئے ہیں یہ نعمتیں کہ تم یہاں نہ تو بھوکے رہتے ہو اور نہ ننگے اور نہ تمہیں پیاس ستاتی ہے

اب نظائر لك پر تفصیلی نظر ڈالتے ہیں۔

فتح مبین اور لَكَ

فتح مبین کے معنی صریح فیصلے اور مکمل غلبے کے ہیں۔ مفسرین کرام کا خیال ہے کہ یہ اس معاہدے کا نام ہے جو عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں بہ مقام حدیبیہ مسلمانوں اور قریش مکہ کے درمیان ہوا۔ جس کے مطابق مسلمانوں کو اس سال تو نہیں اگلے سال عمرہ کرنے کی اجازت دے دی گئی۔ قبل ازیں وہ مسلمانوں کو مکہ آنے کی اجازت نہ دیتے تھے اور نہ ان کا خانہ کعبہ پر حق تسلیم کرتے تھے۔ اس معاہدہ کا یہ فائدہ ہوا کہ اہل اسلام کو مشرکین نے اپنا ہم پلہ مان لیا۔ اور یہ تسلیم کرلیا کہ وہ بھی خانہ کعبہ کی زیارت کے اتنے مستحق ہیں جتنے کہ وہ اور دیگر قبائل عرب ہیں۔ اس معاہدے کے مطابق آئندہ دس سال تک جنگ نہ کرنے کا عہد کیا گیا اور صلح و آشتی کے ساتھ رہنے کا عزم کیا گیا۔ دوسرے لفظوں میں اس مطلب یہ تھا کہ کفار نے مسلمانوں کا غلبہ تسلیم کرلیا ہے اور ان کی جنگی صلاحیت کا لوہا مان لیا ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہ ایک بہت بڑی فتح تھی کہ حربی کافر جو مسلمانوں کو ایک نظر دیکھنا گوارہ نہیں تھے، اب صلح کی بات چیت پر آمادہ ہو گئے تھے۔ یوں اہلِ ایمان کے لئے کامیابی کی راہیں کشادہ نظر آنے لگی تھیں۔ اس لئے اللہ کی طرف سے اس معاہدے کو فتح مبین کا نام عطا کیا گیا اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بہ طور ایک انعام کے پیش کیا گیا۔ ارشاد ہوا:

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحاً مُّبِيناً ۝ لِيَغْفِرَ لَكَ اللَّهُ مَا تَقَدَّمَ مِن ذَنبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ وَيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطاً مُّسْتَقِيماً ۝ (۱۱۷)

اور ہم نے فیصلہ کردیا تمہارے لئے صریح فیصلہ تاکہ اللہ آپ کی سب اگلی پچھلی کوتاہیوں کو معاف کردے اور آپ پر اپنے احسانات کی اور زیادہ تکمیل کردے اور آپ کے لئے سیدھی راہ روشن کردے۔

لک دونوں آیتوں میں شرف و اختصاص کے لئے فتح عطا ہوئی تو آپ کی خاطر، نعمت غفران عطا ہوئی تو آپ کی خاطر اور آپ ہی کے لئے۔ یہ دونوں نعمتیں دراصل آپ کی وساطت سے آپ کی امت کو عطا ہوئیں:

معناه انا فتحالك فتحا مبينا لكي يجمع لك مع المغفرت تعام النعمة فى الفتح (۱۱۸)

اجر غیر ممنون اور لَکَ

ایسی جزا جس کے ساتھ منت اور احسان نہ ہو، اجر غیر ممنون کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان گنت انعامات سے نوازا مگر کسی انعام کی عطا پر ممنون نہیں فرمایا۔ جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو متعدد بار حق تعالیٰ نے اپنے احسانات یاد کرائے۔ جیسے ارشاد گرامی ہے۔ فرمایا:

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَى مُوسَى وَهَارُونَ ۝ وَنَجَّيْنَا هُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيمِ ۝ (۱۱۹)

اور ہم نے موسیٰ اور ہارون پر احسان کیا اور انہیں اور ان کی قوم کو بہت بڑی تکلیف سے نکالا۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ يَا مُوسَى ۝ وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَى ۝ (۱۲۰)

فرمایا! اے موسیٰ! تمہارا مطالبہ پورا کر دیا گیا۔ اور تم پر ہمارا یہ دوسرا احسان ہے۔

اس کے برعکس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی اس طرح اشارۃً بھی ممنون نہیں فرمایا گیا بل کہ کھلے لفظوں میں غیر ممنون ارشاد فرمایا گیا۔

مَا أَنتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ ۝ وَإِنَّ لَكَ لَأَجْراً غَيْرَ مَمْنُونٍ ۝ (۱۲۱)

آپ کے رب کی آپ پر خصوصی مہربانی ہے کہ آپ کو کم عقل نہیں بتایا اور بلاشبہ آپ کے لئے جزا ہے جو بغیر منت کے ہے۔

یہ بہت بڑا شرف ہے جو آپ کو ذات حق کی طرف سے عطا ہوا۔ پھر آپ کے طفیل آپ کی امت کو بھی اس شرف سے نوازا گیا۔ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ ۝ (۱۲۲)

بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کئے۔ ان کے لئے جزاء ہے جو منت کے بغیر ہے۔ یا غیر محدود اور غیر منقوص ہے۔ یعنی ایسا صلہ ہے جس کے ساتھ نہ تو کوئی منت اور احسان ہے اور نہ وہ محدود ہے اور نہ کم ہونے والا ہے اور نہ منقطع ہونے والا ہے۔

امام راغب اصفهانی رحمته الله علیه کے الفاظ میں اجر غیر ممنون ای اجر بدون المنه قیل غیر معدود قیل غیر مقطوع ولا منقوص و المنة، النعمة القیلة (۱۲۳)

نزولِ ذکر اور لَكَ

ذکر سے یہاں مراد ذکر عظیم ہے یعنی قرآن حکیم ہے۔ جسے اللہ نے اپنا ذکر کہہ کر پکارا۔ اور اس کی حفاظت کا بیڑہ بھی اٹھایا۔ فرمایا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ۝ (۱۲۴)

بے شک ہم ہی نے ذکر نازل فرمایا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہ بہت بڑا اشرف ہے جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفراز فرمایا گیا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا شرف ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کو چھوڑ کر انسانوں میں سے ایک کو اس شرف کے لئے منتخب فرمائے اور اس پر اپنا کلام اتارے اور اسے یہ اعزاز بخشے کہ وہ اس کا نمائندہ بن کر تمام انسانوں تک اس کا پیغام پہنچائے۔ یہ شرف اس قوم کے لئے بھی ہے۔ جس میں سے اللہ نے اپنی پیغام رسائی کے لئے رسول کا انتخاب فرمایا۔ اس سے بڑھ کر اور کیا شرف ہوگا کہ دنیا کی سب قوموں کو چھوڑ کر ایک قوم کا انتخاب فرمائے اور پھر ان کی زبان میں اپنا پیغام پہنچائے۔ اور اسے دنیا میں پیغام خداوندی کی حامل بن کر اٹھنے کا موقع دے۔ اس شرفِ عظیم کا احساس اہل عرب کو ہونا چاہئے۔ اگر وہ اس کی ناقدری کریں گے تو اللہ کے ہاں جواب دہ ہوں گے۔ اس لئے ارشاد فرمایا گیا:

وَإِنَّهُ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْأَلُونَ ٥ (۱۲۵)

اور بلاشبہ یہ کتاب تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے ایک بہت بڑا اشرف ہے اور عن قریب تم لوگوں کو اس کا جواب دہ ہونا پڑے گا۔

جواب دہی کے بارے میں دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔

فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ٥ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِم بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَائِبِينَ (۱۲۶)

پس لازماً ان لوگوں سے پوچھیں گے جن کی طرف رسول بھیجے گئے اور خود رسولوں سے پوچھ گچھ کریں گے اور پھر ہم ان کو پوری سرگزشت پورے علم کی روشنی میں سنائیں گے۔ ہم کہیں غائب نہیں رہے۔

مژدہ خیر اور لک

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ کی زندگی مبارک کا ہر دوسرا لمحہ پہلے سے بہتر رہا۔ اس بہتری کی نوید بہت پہلے آپ کو آپ کی مکی زندگی میں ہی سنا دی گئی تھی۔ جو ان الفاظ کے ساتھ تھی۔

وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ ٥ (۱۲۷)

اور یقیناً آپ کے لئے ہر دوسرا لمحہ پہلے لمحے سے بہتر ہوگا۔

آخرت اور اولیٰ سے یہاں مراد آخرت اور دنیا بھی لی گئی ہے۔ لیکن زیادہ قرین قیاس دنیا و آخرت

نہیں بل کہ آخرت سے مراد آپ کی حیات مبارک کا آنے والا دور اور اولیٰ سے مراد گزرا ہوا اور دورِ حاضر ہے، یعنی ذاتِ حق کی طرف سے آپ کو یہ نوید سنائی جا رہی ہے کہ آپ کا مستقبل، آپ کے ماضی اور حاضر سے بہتر ہوگا۔ یہ ایک جامع بشارت ہے جس کے اندر دین کا غلبہ و تکمیل، مکے کی فتح، دشمنوں کی پامالی اور دین میں داخل ہونے والوں کی کثرت کے وہ سارے پہلو جمع ہو گئے ہیں جو دوسرے مقامات قرآنی میں بیان ہوئے ہیں۔ یہ ایک خوش خبری ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت سنائی گئی جب آپ مکہ میں مقیم تھے۔ مخالفت کی آندھیاں چل رہی تھیں۔ اسلام کی شمع ٹمٹما رہی تھی۔ اور اسے بجھانے کے ہر طرف سے طوفان اٹھ رہے تھے۔ آپ مشکلات میں گھرے کھڑے تھے۔ مہربان رب نے آپ کو ان خوبصورت لفظوں کے ساتھ تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ آپ ذرا بھر بھی پریشان نہ ہوں۔ یہ حالات ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ ہر بعد کا دور پہلے دور سے آپ کے لئے بہتر ثابت ہوگا۔ آپ کی قوت، آپ کی عزت و شوکت، آپ کی قدر و منزلت برابر بڑھتی چلی جائے گی اور آپ کا چرچا پھیلتا چلا جائے گا۔ کامیابیاں آپ کے قدم چومیں گی۔ کامیابیوں کا یہ سلسلہ ابدالآباد تک رہے گا۔ اسی لئے آپ نے فرمایا۔

> میرے سامنے وہ تمام فتوحات پیش کی گئیں جو میرے بعد میری امت کو حاصل ہونے والی ہیں۔ اس پر مجھے خوشی ہوئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آخرت تمہارے لئے دنیا سے بھی بہتر ہے۔ (۱۲۸)

عطیۂ حلت و حرمت اور لَكَ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی ازدواجی زندگی کے لئے اللہ جلہ شانہ کی طرف سے ایک خصوصی ضابطہ عطا فرمایا گیا۔ یہ ایک بہت بڑا شرف تھا، جو رب کریم کی طرف سے آپ کو ملا۔ اس شرف کا اظہار بھی لفظ لک سے فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

> يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَحْلَلْنَا لَكَ أَزْوَاجَكَ اللَّاتِيْ آتَيْتَ أُجُورَهُنَّ وَمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ مِمَّا أَفَاءَ اللَّهُ عَلَيْكَ وَبَنَاتِ عَمِّكَ وَبَنَاتِ عَمَّاتِكَ وَبَنَاتِ خَالِكَ وَبَنَاتِ خَالَاتِكَ اللَّاتِيْ هَاجَرْنَ مَعَكَ وَامْرَأَةً مُّؤْمِنَةً إِن وَهَبَتْ نَفْسَهَا لِلنَّبِيِّ إِنْ أَرَادَ النَّبِيُّ أَن يَسْتَنكِحَهَا خَالِصَةً لَّكَ مِن دُونِ الْمُؤْمِنِيْنَ (۱۲۹)

اے نبی! ہم نے تمہاری ان بیویوں کو تمہارے لئے جائز قرار دیا ہے۔ جن کے مہر تم نے ادا کر دیئے ہیں۔ اور تمہاری ان مملوکات کو بھی تمہارے لئے حلال کیا جو اللہ نے تم کو بہ طور

غنیمت عطا فرمائیں۔ اور تمہارے چچا کی بیٹیوں اور تمہاری پھوپھیوں کی بیٹیوں اور تمہارے ماموں کی بیٹیوں اور تمہاری خالاؤں کی بیٹیوں میں سے بھی ان کو حلال ٹھہرایا۔ جنہوں نے تمہارے ساتھ ہجرت کی ہے اور وہ مومن عورت جس نے اپنے آپ کو نبی کے لیے ہبہ کیا ہو، بہ شرطے کہ نبی اسے نکاح میں لینا چاہے۔ یہ رعایت خالصتاً تمہارے لئے ہے۔تمام مؤمنوں کو چھوڑ کر۔

احللنالك اور خالصۃً لك کے کلمات آپ کے شرف اور علو منزلت کی ترجمانی کر رہے ہیں۔ اسی سلسلۂ کلام میں آگے جا کر پھر ارشاد ہوتا ہے:

لاَ يَحِلُّ لَكَ النِّسَاء مِن بَعْدُ وَلَا أَن تَبَدَّلَ بِهِنَّ مِنْ أَزْوَاجٍ وَلَوْ أَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ إِلَّا مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ وَكَانَ اللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ رَّقِيباً o (۱۳۰)

اس کے بعد تمہارے لئے دوسری عورتیں حلال نہیں ہیں۔ اور نہ اس کی اجازت ہے کہ ان کی جگہ اور بیویاں لے آؤ۔ خواہ ان کا حسن تمہیں کتنا ہی پسند ہو۔ البتہ لونڈیوں کی تمہیں اجازت ہے اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھنے والا ہے

شرح صدر اور لَكَ

شرح صدر کے لغوی معنی سینہ کھولنے کے ہیں۔لیکن اس سے مراد نور الٰہی اور سکون واطمینان کی وجہ سے سینے میں وسعت پیدا ہو جانے کے ہیں۔ جیسا کہ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں:

اصل الشرح بسط اللحم و نحوہ يقال شرحت اللحم و شرحته و منه شرح الصدر ای بسطه بنور الله و سكينة من جهة الله وروح منه" (۱۳۱)

شرح کے اصل معنی پھیلانے کے ہیں، جیسے کہتے ہیں شرحت اللحم یعنی میں نے گوشت کے ٹکڑے کر کے پھیلائے۔ اور اسی سے شرح صدر ہے۔ یعنی نور الٰہی اور اللہ کی طرف سے ملنے والے سکون اور روحانیت کے باعث دل میں کشادگی پیدا ہو جانا۔

شرح صدر بلند حوصلگی اور سکون قلب کا نام ہے۔ دونوں لازم وملزم چیزیں ہیں۔ حوصلہ اسی وقت بلند ہوتا ہے جب دل مطمئن ہو۔ یہ بھی اللہ کی ایک عطا خاص ہے جس سے وہ اپنے برگزیدہ بندوں کو نوازتا ہے۔ اور سب سے بڑھ کر انبیائے کرام کو اس نعمت سے سرفراز فرمایا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جب اللہ کی طرف سے حکم ملا کہ وہ فرعون کو جا کر دعوت حق دیں تو انہوں نے اللہ سے اس نعمت خاص کی

درخواست کی۔ رب الشرح لی صدری "اے میرے رب میرا سینہ کھول دے"

ان کی درخواست منظور ہوئی فرمادیا گیا۔ قد اوتیت سؤلک یموسیٰ اے موسیٰ! تم نے مانگا تمہیں دے دیا گیا یوں اللہ نے ان پر ایک انعام فرمایا۔

اس انعام خاص سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سرفراز فرمایا گیا۔ اور بن مانگے عطا فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جہاں نبوت کی نعمت سے نوازا وہاں آپ کو اس کے ذی شان حوصلہ و ہمت بھی عطا کی اور وسعتِ قلب کی نعمت سے بھی بہرہ ور کیا۔ تاکہ آپ منصب نبوت کی عظیم ذمے داریوں سے خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہوسکیں۔ اس سے آپ اس وسیع حلم کے حامل ہوگئے جو آپ کے سوا کسی انسان کے ذہن میں سمانہ سکتا تھا اور ایسی حکمت نصیب ہوئی جو آج تک کسی کو نصیب نہ ہوئی۔ اسی کا نام شرح صدر ہے۔

ہدیۂ تہجد اور لَکَ

تہجد کے لغوی معنی سونے کے ہیں۔ اس لئے سوئے ہوئے آدمی کو "ھاجد" کہتے ہیں۔ دراصل یہ لفظ اضداد میں سے ہے۔ اس کے معنی سونے اور جاگنے دونوں کے ہیں۔ لسان العرب میں ہے۔ التھجد من الاضداد یا تی بمعنی النوم و الیقظه. اسی لئے قرآن مجید میں اس نماز کو جو کچھ سو کر پڑھی جاتی ہے تہجد کہا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَمِنَ اللَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهِ نَافِلَةً لَّكَ عَسَى أَن يَبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَاماً مَّحْمُوداًo (۱۳۲)

اور رات کو اٹھ کر نماز پڑھو۔ یہ تمہارے لئے مزید برآں ہے۔ امید رکھو کہ تم کو تمہارا رب مقام محمود تک پہنچائے۔

نافلة لك یعنی ایک عطیہ خاص جو صرف آپ کے لئے ہے۔ نافلہ اس چیز کو کہتے ہیں جو اصل سے زائد ہو۔ اس کا استعمال کسی نعمت و رحمت پر اضافے کے لئے ہوتا ہے۔ کسی مصیبت اور زحمت میں اضافے اور زیادتی پر نہیں بولا جاتا۔

تہجد بھی ایک اضافی نعمت ہے جو آپ کو عطا ہوئی۔ اور اسے آپ کے لئے ضروری قرار دیا گیا اور اس طرح سے آپ کو باور کرایا گیا کہ رات کو اٹھ کر یوں اللہ کو یاد کرنے اور اس کی بارگاہ میں قیام کرنے کو بوجھ خیال نہ کریں بل کہ اسے ایک نعمت سمجھ کر قبول کریں اور تواتر سے اس کی ادائیگی کے بعد اللہ سے یہ امید رکھیں کہ وہ اس کے شاندار ثمرات سے آپ کو نوازے گا۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ وہ وقت دور نہیں جب تمہارا بول بالا ہوگا۔ لوگوں کی زبان پر تیرا نام ہوگا۔ وہ تجھے اچھے اچھے ناموں سے یاد

کریں گے اور آخرت میں بھی تمہارا رب تمہیں اس حال میں اٹھائے گا کہ ایک عظیم امت کی زبان پر تمہارے لئے ترانۂ حمد ہوگا اور اللہ کے ہاں تمہارا ہر عمل اور تمہاری ہر کوشش محمود اور مشکور ہوگی۔

رفع الذکر اور لك

لغوی معنی ذکر کو بلند کرنے کے ہیں۔ رفع اٹھانے اور بلند کرنے کو کہتے ہیں۔ جب کہ رفع ذکر کے معنی نام وری شہرت اور شرف ومنزل کے ہیں۔ جیسا کہ امام اللغۃ محب الدین سید محمد مرتضیٰ زبیدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> **الذکر ای الشرف وبه فسر قوله تعالیٰ و انه لذکرلك ولقومك ای القرآن شرف لك ولهم وقوله تعالیٰ ورفعنالك ذکرك ای شرفك وقیل معناه اذا ذکرت ذکرت (۱۳۳)**
>
> ذکر یعنی شرف۔ اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد وانہ لذکر لک ولقومک کے معنی ہیں کہ قرآن تمہارے لئے اور تمہاری قوم کے لئے شرف ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ''ورفعنا لک ذکرک'' کا مطلب ہے کہ ہم نے آپ ﷺ کے ذکر کو یعنی آپ کے شرف کو اور آپ کے مقام ومرتبے کو بلندی عطا کی۔ اس طرح کہ جب میرا نام لیا جائے گا آپ کا بھی ساتھ لیا جائے گا۔ ذکر اذکار میں، طاعت میں، شکر میں، دعاء میں، تسبیح وقرأت میں، تمہید میں، تسبیح وتہلیل میں اور تمام اوصاف ومناقب کے ساتھ مدح وستائش میں۔

ذکر کے ایک معنی نام وری اور شرف کے بھی ہیں۔ شہرت اچھائی میں بھی ہوسکتی ہے اور برائی میں بھی۔ مگر جنہوں نے ذکر کے معنی ناموری اور شہرت کے لئے ہیں ان کی مراد نیک نامی ہی ہے۔ اس لئے **ورفعنا لك ذکرك** کی توضیح کرتے وقت وہ ذکر سے نیک نامی مراد لیتے ہیں۔ یعنی ہم نے آپ کی خاطر آپ کی نیک نامی کا خوب چرچا کیا۔

لک اختصاص اور شرف کی خاطر لایا گیا ہے۔ یعنی یہ رفعت ذکر آپ کے ساتھ خاص ہے۔ رفع ذکر سے مراد اگر ناموری اور شہرت بڑھانا ہے تب بھی یہ آپ کے ساتھ خاص ہے۔ کیوں کہ دنیا میں آج تک جس نام کو سب سے زیادہ رفعت ملی ہے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ رات دن آپ کا نام گرامی زبانوں پر رواں ہے۔ درود وسلام میں، اذان میں، کلمہ ایمان میں اور قرآن کے بیان میں! اسی طرح اگر ارفع ذکر سے مراد شرف ومنزلت ہے تب یہ آپ کے لیے خاص ہے۔ جتنی شرف ومنزلت آپ کے حصہ

میں آئی، ویسی کسی کو نہ ملی۔

وضع وزر اور لَکَ

وضع یضع وضعاً موضعاً کے معنی رکھنے اور دور کرنے کے ہیں۔ وزر بوجھ اور وزن کو کہتے ہیں۔ وضع الوزر کے لغوی معنی بوجھ ہلکا کرنے کے آتے ہیں۔ بوجھ سے بعض مفسرین نے گناہوں کا بوجھ مراد لیا ہے۔ جیسا کہ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں۔

قوله تعالیٰ ووضعنا عنك وزرك" ای ماکنت فیه من امر الجاهلية فاعفیت بما خصصت به عن تعاطی ماکان علیه قومك (۱۳۴)

اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد ووضعنا عنك وزرك کا مطلب ہے کہ آپ سے زیادہ قبل از اسلام جو لغزشیں ہوئیں وہ معاف کر دی گئیں۔

لیکن یہ کچھ قرین قیاس نہیں۔ بوجھ سے مراد اگر نبوت کی ذمے داریوں کو بوجھ لیا جائے تو وہ زیادہ موزوں اور پر حکمت ہوگا۔ نبوت ورسالت ایک عظیم اور گران قدر منصب ہے، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سرفراز فرمایا گیا۔ آپ اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے بڑے فکر مند رہے تھے، جس کا پتہ اس ارشاد سے چلتا ہے۔ فرمایا:

طٰه O مَا أَنزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لِتَشْقَىٰO إِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَن يَخْشَىٰO (۱۳۵)

طٰہٰ۔ ہم نے تم پر قرآن اس لئے نہیں اتارا کہ تم اپنی زندگی کو اجیرن کر ڈالو۔ یہ تو بس ان لوگوں کے لئے یاد دہانی ہے جو ڈرنے والے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس فکر کو، جو نبوت کے ابلاغ کے سلسلے میں، آپ کے دامن گیر تھی، یوں آسان فرمایا کہ آپ کے سینے کو اس کے لئے کشادہ فرمادیا۔ حوصلہ وہمت عطا کی۔ اطمینان قلب کی دولت سے نوازا۔ عزم راسخ اور اولوالعزمی جیسے اوصاف سے متصف کیا۔ جس سے آپؐ کے لئے حق کی راہیں کشادہ ہو گئیں۔ وہ کام جو بڑا ادق اور نہایت مشکل نظر آ رہا تھا وہ روز بہ روز آسان اور سہل ہوتا گیا۔ اور اللہ کے فضل وکرم سے عام منازل آسان ہو گئیں اسی کے باری میں ارشاد فرمایا گیا:

وَوَضَعْنَا عَنكَ وِزْرَكَ O الَّذِي أَنقَضَ ظَهْرَكَO (۱۳۶)

اور ہم نے آپ سے وہ بوجھ ہلکا کر دیا جس نے آپ کی کمر جھکا دی تھی:

یہاں اگرچہ لک نہیں عنک ہے، لیکن یہ عنک بھی لک کی طرح اسی شرف واختصاص کے اظہار ہی

کے لئے آیا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ المفردات فی غریب القرآن بذیل مادہ (ص ۲۰۰)
۲۔ البقرۃ :۶۳
۳۔ النساء :۱۵۴
۴۔ یوسف:۱۰۰
۵۔ الانعام:۱۶۵
۶۔ یوسف :۷۶
۷۔ المومن :۱۵
۸۔ الزخرف:۳۲
۹۔ الاعراف:۱۷۵،۱۷۶
۱۰۔ النور:۳۶
۱۱۔ المجادلہ:۱۱
۱۲۔ الواقعہ:۱۔۳
۱۳۔ النازعات :۲۷،۲۸
۱۴۔ الطور:۱۔۷
۱۵۔ الرحمٰن:۷
۱۶۔ الغاشیہ :۱۰۔۱۶
۱۷۔ البقرۃ :۱۲۷
۱۸۔ الرعد:۲
۱۹۔ الغاشیہ :۱۷۔۲۰
۲۰۔ الاعلیٰ :۱۸۔۱۹
۲۱۔ عبس:۱۲۔۱۶
۲۲۔ البقرۃ:۲۲
۲۳۔ الواقعہ:۳۲:۳۴
۲۴۔ المفردات فی غریب القرآن بذیل سرر:ص ۲۲۹
۲۵۔ الغاشیہ:۱۲۔۱۳
۲۶۔ مریم:۵۶۔۵۷
۲۷۔ الانبیاء:۸۵
۲۸۔ تکوین:۲۲،۵۲

۲۹۔ عبرانیون:۱۱،۵
۳۰۔ قاموس الکتاب ص:۳۳۹۔ ملوک: ج ۲،ص ۱۱
۳۱۔ The Talmud Slection: ص ۸۱۔۱۲
۳۲۔ البخاری، الجامع الصحیح۔ باب الاسراء:۱:۳۸۲
۳۳۔ الزمخشری، الکشاف تحت الآیۃ
۳۴۔ تفسیر بیضاوی
۳۵۔ تفسیر کثیر تحت الآیۃ
۳۶۔ روح المعانی ابن العربی تحت الآیۃ
۳۷۔ مریم:۵۷
۳۸۔ آل عمران:۱۳۹
۳۹۔ دار الکتب العلمیۃ بیروت۔ لبنان فصوص الحکم:ص ۵۸۱
۴۰۔ آل عمران:۵۵
۴۱۔ النساء:۱۵۷،۱۵۸
۴۲۔ المفردات فی غریب القرآن ص:۵۲۹
۴۳۔ المفردات فی غریب القرآن ص:۵۲۹
۴۴۔ تفسیر کبیر رفعہ الیہ اعظم فی باب الثواب من الجنۃ،
۴۵۔ سورہ الانشراح:۱۔۴
۴۶۔ المفردات فی غریب القرآن:ص ۲۰۰
۴۷۔ البقرۃ:۶۳
۴۸۔ الزخرف:۳۲
۴۹۔ مریم:۵۶۔۵۷
۵۰۔ الاعراف:۱۷۵۔۱۷۶
۵۱۔ طٰہٰ: ۳۸،۳۹
۵۲۔ طٰہٰ: ۴۱
۵۳۔ طٰہٰ: ۳۹
۵۴۔ الطور: ۴۸
۵۵۔ الحجر: ۹
۵۶۔ الاعراف:۱۱
۵۷۔ الحجر: ۲۶
۵۸۔ بنی اسرائیل:۷۰
۵۹۔ الفتح: ۱۔۲

۶۰۔ الاحزاب: ۷
۶۱۔ الزخرف: ۵۷۔۶۰
۶۲۔ الحدید: ۲۷
۶۳۔ طٰہٰ: ۳۷۔۴۰
۶۴۔ الصّٰفّٰت: ۱۱۴۔۱۱۹
۶۵۔ النبا: ۶۔۱۶
۶۶۔ عبس: ۲۴۔۳۲
۶۷۔ یٰس: ۳۳۔۳۵
۶۸۔ یٰسین: ۴۱۔۴۴
۶۹۔ الحدید: ۲۵
۷۰۔ الحج: ۴۵
۷۱۔ مریم: ۷۴
۷۲۔ الانبیاء ۱۲: ۹۵
۷۳۔ ھود: ۸۲۔۸۳
۷۴۔ الفرقان ۳۵: ۳۶
۸۵۔ الفرقان: ۳۷
۷۶۔ بنی اسرائیل: ۱۶، ۱۷
۷۷۔ المفردات فی غریب القران ص: ۱۷۹
۷۸۔ البقرہ: ۲۰۰
۷۹۔ البقرہ: ۱۹۸
۸۰۔ الانبیا: ۱۰
۸۱۔ المفردات فی غرب القرآن ص: ۱۷۹
۸۲۔ الانبیاء: ۵۰
۸۳۔ الانبیاء: ۲۴
۸۴۔ ابن منظور مطبوعہ قم ایران: بہ ذیل مادہ
۸۵۔ مرتضی الزبیدی۔ القاموس المحیط۔ دارلحدیث۔ القاہرہ۔ مصر
۸۶۔ الانبیاء: ۵۰
۸۷۔ الحجر: ۹
۸۸۔ النحل: ۴۳
۸۹۔ الانبیاء: ۱۰۵
۹۰۔ تاج العروس۔ بیروت لبنان

۹۱۔ الانبیاء:۴۸
۹۲۔ ص۸۳:۱۔۲
۹۳۔ ص:۸
۹۴۔ لسان العرب۔قم، ایران
۹۵۔ المفردات فی غریب القرآن:ص۱۷۹
۹۶۔ المفردات فی غریب القرآن:ص۱۷۹
۹۷۔ الکھف:۶۳
۹۸۔ البقرہ:۱۵۲
۹۹۔ البقرہ:۴۷
۱۰۰۔ المفردات فی غریب القران:ص۱۸۰
۱۰۱۔ المفردات فی غریب القرآن:ص۱۷۹
۱۰۲۔ العنکبوت:۴۵
۱۰۳۔ للسان العرب
۱۰۴۔ ابن منظورالسان العرب:تحت المادہ
۱۰۵۔ الاحزاب:۴۱،۴۲
۱۰۶۔ الطلاق:۱۰،۱۱
۱۰۷۔ الفردات فی غریب القرآن۔۱۷۹
۱۰۸۔ ہند:۱۴
۱۰۹۔ الغاشیہ:۲۱۔۲۲
۱۱۰۔ لسان العرب۔ بہ ذیل مادہ
۱۱۱۔ تاج العروس من جواہر القاموس۔ بہ ذیل مادہ
۱۱۲۔ لسان العرب بہ ذیل مادہ
۱۱۳۔ تاج العروس بہ ذیل مادہ
۱۱۴۔ الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل وعیون الاقاویل فی وجوہ تاویل۔ بیروت۔ لبنان: بہ ذیل مادہ
۱۱۵۔ محی الدین شیخ زادہ علی تفسیر القاضی البیضاوی الجزء الرابع ص:۶۷۱، دیاء بکر۔ ترکیا
۱۱۶۔ طہٰ:۱۱۸،۱۱۹
۱۱۷۔ الفتح:۱،۲،س
۱۱۸۔ معالم التنزیل
۱۱۹۔ الصفت:۱۱۴،۱۱۵
۱۲۰۔ طہٰ:۳۶۔۳۷
۱۲۱۔ القلم:۲،۳

۱۲۲۔ حم السجدہ: ۸
۱۲۳۔ المفردات فی غریب القرآن: ص ۴۷۴
۱۲۴۔ الحجر: ۹
۱۲۵۔ الزخرف: ۴۴
۱۲۶۔ الاعراف: ۶۔۷
۱۲۷۔ الضحیٰ: ۴
۱۲۸۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط والبیہقی فی الدلائل عن ابن عباس رضی اللہ عنہ
۱۲۹۔ الاحزاب: ۵۰
۱۳۰۔ الاحزاب: ۵۲
۱۳۱۔ المفردات فی غریب القرآن: ص ۲۵۸
۱۳۲۔ بنی اسرائیل: ۷۹
۱۳۳۔ تاج العروس شرح القاموس بہ ذیل مادہ
۱۳۴۔ المفردات فی غریب القرآن ص: ۵۲۱
۱۳۵۔ طٰہٰ: ۱۔۳

نبی رحمت وشفقت ﷺ

سید عزیز الرحمٰن

نبی رحمت ﷺ کے انسانیت پر احسانات، کم زور طبقات پر رحمت وشفقت اور خواتین، بچوں، غلاموں اور غیر مسلموں کے لئے رحم وشفقت پر مبنی اسوۂ حسنہ کی جھلکیاں بائبل اور دیگر کتب مقدسہ اور مذاہب عالم کی تعلیمات کے تقابلی مطالعے کے ساتھ

عن قریب شائع ہو رہی ہے

زوار اکیڈمی پبلی کیشنز